(1914-2020)

کلام شبلی کے اعلام واشخاص

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ادبی دائرہ، اعظم گڑھ

کلام شبلی کے اعلام واشخاص

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ادبی دائرہ، اعظم گڑھ

© مصنف :

- نام کتاب : کلام شبلی کے اعلام واشخاص
- نام مصنف : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
- ناشر : مصنف
- پتہ : ۶۴۱۔ پورہ غلامی عقب آواس وکاس اعظم گڑھ
- باراول : نومبر ۲۰۲۰ء
- مطبع : اصیلہ پرنٹرس، دہلی
- قیمت : ۳۰۰/روپے

KALAM-E-SHIBLI KE AALAM-O-ASHKHAS

by: Dr.Mohammad Ilyas Azmi
azmi408@gmail.com
+919838573645

Page 184 Rs: 300/-

ISBN:978-81-943636-3-7

تقسیم کار

- دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۷۶۰۰۱، موبائل: ۶۳۸۶۳۲۴۴۳۷
- مکتبہ جامعہ۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی، ۱۱۰۰۰۶، فون: ۰۱۱۲۳۲۶۰۶۶۸
- اعظمی کتاب گھر، پیراڈائز ٹریولس، تکیہ، اعظم گڑھ موبائل، ۹۶۹۵۱۷۴۷۹۹

○

عزیز دوست

شاعر و ادیب

ڈاکٹر محمد ارشد خاں

کی نذر

○○

شعر اگر دامن دل نہ کشد بانگ خر است
نغمہ گر نیست دل آشوب بہ غوغا ماند
علامہ شبلی نعمانی

ترتیب

○○○

پیش گفتار

علامہ شبلی نعمانی کا جب ذکر ہوتا ہے تو ڈاکٹر الیاس اعظمی کا ذکر بھی ناگزیر ہوجاتا ہے۔ علامہ اور الیاس اعظمی اب لازم وملزوم ہو چکے ہیں۔ علامہ شبلی پر اردو میں تو کیا، کسی بھی زبان میں اتنے مضامین اور اتنی کتابیں نہیں لکھی گئیں جتنا تن تنہا الیاس اعظمی صاحب نے لکھی ہیں۔ میری معلومات کے مطابق وہ اب تک پچاس سے زائد مضامین ومقالات اور پندرہ سے زائد کتابیں علامہ شبلی پر لکھ چکے ہیں۔ یہ علامہ پر نت نئے اور اچھوتے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان کی ہر کتاب اور مقالے کی اشاعت کے بعد ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ علامہ پر اس اچھوتے موضوع کے بعد اب کیا بچارہ گیا ہوگا جس پر خامہ فرسائی کی جا سکے۔ لیکن چند مہینوں کے بعد ہی ایک نئے اور اچھوتے موضوع پر ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی کی ایک نئی کتاب منظر عام پر آجاتی ہے۔ ایسی ہی کتابوں میں اِس وقت میرے پیش نظر ان کی تازہ ترین تصنیف ''کلام شبلی کے اعلام واشخاص'' کا مسودہ ہے، جس پر مجھ سے پیش لفظ لکھنے کی فرمائش کی گئی ہے۔ گرچہ میں اس میدان کا آدمی نہیں، لیکن ڈاکٹر الیاس اعظمی صاحب کے حکم کے آگے میں نے سپر ڈال دی ہے۔

اس کتاب میں اُن شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے جن کا ذکر علامہ شبلی نے اپنی شاعری میں کیا ہے۔ علامہ شبلی کی شاعری کے حوالے سے یہ کتاب ایک مختصر سوانحی لغت کی حیثیت رکھتی ہے۔ مصنف کے لفظوں میں:

> ''اس میں انبیاء ورسول بھی ہیں اور صحابہ کرام اور خلفائے راشدین بھی، مسلمان علماء وفضلاء اور دانشوران ملک وملت بھی ہیں اور غیر مسلم اہل علم وفکر ونظر اور صاحب تاج وتخت بھی، شاہان اسلام بھی ہیں اور علوم وفنون کے بے تاج بادشاہ

یعنی حکماء وفلاسفہ بھی۔ نیز مختلف زبانوں کے ادباء وشعراء اور ارباب کمال کے ذکر سے بھی یہ مزین ہے۔''

دلچسپ بات یہ ہے کہ مصنف نے اس فہرست میں انسانوں کے ساتھ فرشتوں کو بھی شامل کیا ہے، لیکن نکیرین یا عزازیل کا ذکر کرنا شاید بھول گئے۔ حوالے کے لیے یہ شعر بھی موجود ہے:

خوب وقت آئے نکیرین جزا دے گا خدا
لحدِ تیرہ میں بھی کیا عالم تنہائی تھا

عاشق ومعشوق کا بھی ذکر ہے۔ مثلاً وامق وعذرا، لیکن لیلیٰ ومجنوں کو فراموش کر گئے۔ علامہ فرماتے ہیں:

رحم تو ایک طرف ، پایہ شناسی دیکھو
قیس کو کہتے ہیں، مجنوں تھا، صحرائی تھا

ڈاکٹر الیاس اعظمی نے اعلام واشخاص کے انتخاب کے لیے نہ صرف کلیات شبلی (اردو) اور کلیات شبلی (فارسی) کی مدد لی ہے بلکہ علامہ کی اُن نظموں، غزلوں اور اشعار سے بھی حوالہ دیا ہے جو علامہ کی کلیات میں شامل نہیں ہیں۔ اپنے ''حرف آغاز'' میں اُنھوں نے کلیات اردو، نیز کلیات فارسی کی مختلف اشاعتوں کا ذکر کرتے ہوئے کلیات فارسی کی اشاعت کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''سنا ہے کہ پاکستان میں کلیات شبلی فارسی ڈاکٹر محمد ریاض نے ایڈٹ کر دیا ہے۔ اشاعت کی نوبت آئی یا نہیں، معلوم نہیں ہو سکا۔'' اس سلسلے میں اطلاعاً یہ عرض ہے کہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد نے ڈاکٹر محمد ریاض کا مرتب کردہ ''کلیات شبلی'' ۱۹۷۷ء میں شائع کیا تھا، لیکن اس کی پروف ریڈنگ نہ ہونے کے سبب یہ اس قدر مغلوط تھا کہ اس کی اشاعت روک دی گئی اور یہ نسخہ چھپ کر بھی قارئین کی نظروں سے چُھپا رہا۔ مناسب ہوتا کہ الیاس اعظمی ''کلیات شبلی'' کی ترتیب وتصحیح کا بیڑہ بھی اُٹھالیں۔

حرف آغاز میں مصنف اس کتاب کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے صفحہ ۱۷ پر لکھتے ہیں:
''...... جناب حقانی القاسمی کی فرمائش پر ایک مقالہ لکھنے بیٹھا تو اختصار کی تمام کوششوں کے باوجود

اس کا حجم بڑھتا گیا، حتیٰ کہ کتاب کی صورت اختیار کر گیا۔'' اس تحریر کو دیکھ کر مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی معرکتہ الآرا تصنیف ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' (جلد اول) میں لکھے اُن کے دیباچہ کی ایک تحریر یاد آ گئی۔ مولانا لکھتے ہیں:

> ''دارالعلوم دیوبند کے مجلّہ 'دارالعلوم' کے مدیر کا عنایت نامہ آیا کہ مضمون لکھ کر بھیج دو۔ دارالعلوم ایک تعلیمی ادارہ ہے، اسی مناسبت کا خیال کر کے چار پانچ صفحوں کے مختصر مضمون کا ارادہ کر کے میں نے ......قلم اٹھایا، لکھنا شروع کیا، اب میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا۔ قلم رواں ہوا، چلا، چلتا گیا۔ بات میں بات کا خیال آتا جاتا تھا اور میں لکھتا جاتا تھا۔ پانچ صفحوں کے لکھنے کے لیے بیٹھا تھا، وہی اِس وقت ۵۰۷ صفحات کی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہے۔''

اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر الیاس اعظمی نے اشخاص کے حالات جمع کرنے میں خاصی تگ و دو کی ہے، جیسا کہ ان کے اس کام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے۔ تحقیق کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور نہ تحقیق میں کوئی بات حرف آخر ہوتی ہے۔ بلا شک وشبہ مصنف نے اس کام میں خاصی محنت کی ہے۔ البتہ سہو قلم کے طور پر کچھ باتیں رہ گئی تھیں۔ میں نے مصنف کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تو انہوں نے ان کی تصحیح کر دی۔

مصنف کی محنت کی داد ان معنوں میں بھی دینی چاہیے کہ اُنھوں نے اس بات کا التزام رکھا ہے کہ سبھی شخصیتوں کے ذیل میں خواہ وہ عنوان میں ہوں یا بین السطور میں، اُن کا سال ولادت اور سال وفات درج کیا جائے۔ اس لحاظ سے یہ ایک حوالے کی کتاب بن جاتی ہے۔ البتہ چند شخصیتوں کے ساتھ یہ التزام قائم نہیں رہ سکا ہے۔

اس کتاب میں ۱۲۲ شخصیات کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ مصنف نے تقریباً بیشتر شخصیات کے ذیل میں علامہ شبلی کے ایسے اشعار کا حوالہ دیا ہے جن میں اُن شخصیات کا ذکر آیا ہے۔ اس کے اسباب کی بھی توضیح کی ہے۔ چونکہ الیاس اعظمی کا شبلیات کا گہرا مطالعہ ہے، اس لئے پس منظر کے بیان میں بھی صراحت سے کام لیا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی پراس طرح کا تحقیقی کام الیاس اعظمی ہی کر سکتے تھے، کیونکہ علامہ کی ساری تحریریں ان کی نظر میں ہیں۔ علامہ شبلی نے اپنی شاعری میں کس جگہ کس شخصیت کا ذکر کیا ہے اور کس حوالے سے کیا ہے، یہ وہی شخص بتا سکتا ہے جو علامہ کی مکمل شاعری کا مطالعہ کر چکا ہو۔ کیا ہی بہتر ہوتا کہ ڈاکٹر الیاس اعظمی صاحب علامہ کی شاعری سے نکل کر اس طرح کا ایک کام ان کی نثری تحریروں کے حوالے سے بھی کر دیں تو اردو میں علامہ شبلی کے حوالے سے ایک جامع سوانحی لغت تیار ہو جائے گا۔

میں علامہ شبلی نعمانی کے حوالے سے الیاس اعظمی صاحب کے مرتبہ اس سوانحی لغت کی ترتیب پر اُنھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں اور پھر کسی نئے اور اچھوتے موضوع پر اُن کی ایک نئی کتاب کا منتظر ہوں۔

۱۸/اگست ۲۰۲۰ء

ڈاکٹر عطا خورشید
مولانا آزاد لائبریری۔ علی گڑھ

حرف آغاز

علامہ شبلی نعمانی [۱۸۵۷-۱۹۱۴ء] کی عظمت و جامعیت میں اقلیم سخن پر ان کی کشور کشائی کا امتیازی وصف بھی شامل ہے۔ گو ان کے کلیات کا دامن بقامت ضخیم نہیں، تاہم اپنی اہمیت، افادیت اور معنویت کے لحاظ سے اس کا دائرہ کچھ محدود بھی نہیں۔ مذہبی، اخلاقی، قومی اور سیاسی نظموں کی ایجاد و اختراع نے تو علامہ شبلی کی بطور شاعر بھی ہر دلعزیزی میں اضافہ کیا، اور بلا شائبہ مبالغہ وہ تھی بھی اس عہد میں ایک نئی اور منفرد آواز۔ بالخصوص دور آخر کی ''ہلالی'' نظموں نے جو کبھی اصلی اور کبھی فرضی ''کشاف وصاف'' کے ناموں سے شائع ہوئیں، نسبتاً زیادہ اثر انگیز ثابت ہوئیں۔ ان کی اس جدید شاعری پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا اور جب جب فکر وفن کا جائزہ لیا جائے گا یا اسلام، عالم اسلام اور مسلمانوں پر ظلم و جور کا بازار گرم ہوگا اور ناانصافیاں روا رکھی جائیں گی، علامہ شبلی کی شاعری بالخصوص شہر آشوب اسلام، قطعات اور قصائد نہ صرف نوک زبان ہوں گے بلکہ انہیں سے اہل ذوق کے جذبات کی تسکین کا سامان بھی فراہم ہوگا۔

نامور نقاد پروفیسر آل احمد سرور [۱۹۱۱-۲۰۰۲ء] نے علامہ شبلی کی اردو شاعری کو کبھی کبھی کی موج قرار دیا ہے۔ خود علامہ شبلی بھی اپنی شاعری کو شدت جذبات ہی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، لیکن یہ کبھی کبھی کی موجوں کی طغیانی، جوش و اثر اور ساحل مراد سے آ آ کے ٹکرانے کی کیفیت اور ان کے اثرات کو ہمارے نقادوں کے درمیان شاید کچھ کم محسوس کیا گیا۔ لیکن غالب گمان یہ ہے کہ آیندہ اس کی اثر آفرینی اور زیادہ شدت سے محسوس کی جائے گی۔

علامہ شبلی کئی زبانوں پر دست رس رکھتے تھے۔ شاعری بھی انہوں نے تین زبانوں اردو،

فارسی اور عربی میں کی۔ ان کی عربی شاعری محض چند اشعار اور سرسید احمد خاں [۱۸۱۷-۱۸۹۸ء] کی مدح میں ایک قصیدہ پر مشتمل ہے۔ البتہ اردو اور فارسی میں ان کے کئی مجموعہ کلام اور دیوان شائع ہوئے۔ تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''آثار شبلی'' دیکھی جا سکتی ہے۔

۱۹۱۴ء میں دارالمصنّفین کے قیام و استحکام کے بعد جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی نے علامہ شبلی کے اردو و فارسی کلام کے کلیات علاحدہ علاحدہ شائع کئے۔ اس طرح علامہ شبلی کا ادبی اور تخلیقی سرمایہ سید صاحب نے اہل ذوق کی تسکین کے لئے یکجا فراہم کیا۔ گو ان کے کلام کے کئی مجموعے پہلے بھی شائع ہوئے تھے، تاہم کلیات شبلی کی تدوین و اشاعت کے بعد ارباب ذوق کو علامہ کی نواسنجیوں کے یکجا مطالعہ و مشاہدہ کا موقع ملا اور نئے سرے سے مطالعہ و تجزیہ کا آغاز ہوا۔ چنانچہ متعدد جدید مطالعات سامنے آئے، جن کی تفصیل یقیناً طوالت کا باعث ہوگی۔

علامہ شبلی کی شاعری کو جن اوصاف و امتیازات نے استحکام اور دوام بخشا، یا اس کے جو پہلو لطف و لذت، اثر آفرینی میں اضافہ کا باعث ہوئے، اس میں ان کا شیریں لب ولہجہ، بلند رنگ و آہنگ، حسن ادا، الفاظ کا انتخاب اور ان کی قوت کے ساتھ موضوعات کا تنوع بھی شامل ہے۔ بالفاظ دیگر فکر و فن کی خوب صورت آمیزش نے علامہ شبلی نعمانی کے کلام میں حسن، جاذبیت اور انفرادیت پیدا کی۔ لیکن ان کے علاوہ ایک اور پہلو بھی ہے۔

علامہ شبلی کی شاعری کا ایک نہایت اہم پہلو ان کی شاعری کے وہ اعلام و اشخاص اور رجال بھی ہیں، جن کے ذکر سے ان کی شاعری کا بیشتر حصہ عبارت ہے۔ خاص طور پر کلام شبلی کا تاریخی اور سیاسی پہلو انہی اعلام و اشخاص کی بدولت ان کی شاعرانہ فضا پر قائم ہوا۔ یہ ایک تعجب کی بات ہے کہ علامہ شبلی کی اردو و فارسی شاعری پر پچاسوں مضامین و مقالات قلم بند کئے جانے کے باوجود ان اعلام و اشخاص کے مطالعہ کی سرے سے کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ متعدد علمی، ادبی، تاریخی، سائنسی، مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات جن کا ذکر ان کی شاعری میں کہیں اصلاً اور کہیں ضمناً آ گیا ہے اور جن کی خود اپنی ادبی، تاریخی اور سیاسی حیثیت مسلم ہے۔ ان کے مطالعہ اور کلام شبلی کے پس منظر میں ان کے تعارف و تجزیے کی اہمیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ اس میں مذہب، سیاست، فکر و فلسفہ اور

متنوع علوم وفنون کے ارباب کمال شامل ہیں۔اس میں سب سے زیادہ روشن اور تابناک ہستی آقائے نامدار اور شہنشاہ کونین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات گرامی کی ہے۔جن سے علامہ شبلی کو ابتدا ہی سے بے پایاں عقیدت تھی۔۱۹؍سال کی عمر میں اپنے خانوادے کے دیگر اشخاص کے ساتھ حج بیت اللہ کی انہیں توفیق ملی تو حب نبویؐ سے والہانہ سرشاری میں اور اضافہ ہو گیا۔ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آ گیا وہ مقام روشن سے روشن تر اور تابناک سے تابناک تر نہ ہو جائے، یہ ہمارے تصور حیات کے ناممکنات میں شامل ہے۔اسی لئے اس کتاب کا آغاز اسی مقدس ہستی سے کیا گیا ہے۔اور اشاریہ کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر حب نبویؐ کے اصول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک سب سے اول کیا گیا ہے۔

جیسا کہ گذشتہ سطور میں ذکر آ چکا ہے کہ علامہ شبلی کی شاعری سے ہمارے نقادوں نے خاصی دلچسپی لی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ عہد شبلی سے لے کر آج تک پچاسوں مقالات کے علاوہ چند مستقل کتابیں بھی سپرد قلم کی گئیں ہیں۔جامعات میں ایم. اے، ایم فل اور پی ایچ. ڈی کے لئے تحقیقی مقالے بھی لکھے گئے ہیں۔محبّ مکرم ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی مدیر ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد نے ''مولانا شبلی کی اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ'' کے عنوان سے ایک عمدہ مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔جو ۲۰۱۴ء میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔یہ مقالہ پروفیسر مظفر علی شہ میری صاحب وائس چانسلر مولوی عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول [آندھراپردیش] کی زیر نگرانی لکھا گیا ہے اور حیدرآباد سینٹرل یونیورسٹی نے لائق مصنف کو ایم فل کی سند تفویض کی ہے۔اس کے علاوہ ایک اور مقالہ ڈاکٹر مطیع الرحمٰن غاسق نے ''علامہ شبلی نعمانی شخصیت اور شاعری'' کے عنوان سے لکھا ہے۔جس پر انہیں ویر بہادر سنگھ پوروانچل یونیورسٹی جون پور نے پی ایچ، ڈی کی سند تفویض کی ہے۔یہ مقالہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

ان کتب ومقالات میں کلام شبلی کے اعلام واشخاص کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا۔حتیٰ کہ ضمناً بھی اس موضوع پر اظہار خیال نہیں کیا گیا ہے۔زیرنظر کتاب میں کلام شبلی کے اسی نظر انداز پہلو کی تکمیل کے لئے اردو و فارسی کلام میں وارد تمام اعلام واشخاص کو مطالعے کا موضوع

قرار دے کر ان کا تعارف و تجزیہ، تاریخی اور تہذیبی حیثیت، نیز کلام شبلی میں ان کے ذکر کے اسباب وغیرہ کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ شخصیات کے مختصر تذکرہ کے ساتھ علامہ شبلی کی ان سے دلچسپی اور اس کے اسباب و محرکات پر بھی کسی قدر روشنی ڈالی گئی ہے۔ موقع کی مناسبت سے بعض شاعرانہ تلمیحات، تشبیہات اور استعارات کے اسباب و علل بھی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ البتہ مجھ بے مایہ کو اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ یہ جس قدر اہم اور وقیع موضوع ہے اور جس گہرائی و گیرائی کا متقاضی ہے، اس کی تشریح و تکمیل میں میری کم علمی اور بے بضاعتی سد راہ ہوئی ہوگی۔ تاہم میں نے حتی الامکان محنت و تحقیق اور تلاش و جستجو سے موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں کہاں تک کامیابی ملی اس کا فیصلہ باذوق ناظرین کے سر ہے۔

کتاب میں اشخاص و اعلام اور رجال شاعری کے تذکرے الف بائی ترتیب پر لکھے گئے ہیں۔ البتہ ناموں کے اندراج میں نسبت اور لقب کو حسب معمول لکھا گیا ہے۔ ہر تذکرہ کے آخر میں کلیات شبلی اردو و فارسی کے ان صفحات کی نشاندہی کر دی گئی ہے، جہاں جہاں ان اعلام و اشخاص کا ذکر یا نام آیا ہے۔ اور جہاں ضرورت محسوس کی گئی ہے ان منظومات کو نقل کر کے ان کا پس منظر بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ البتہ اشعار کے انتخاب اور ان کی تشریح و تفہیم سے عموماً احتراز کیا گیا ہے۔ حوالے کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے، لیکن متعدد مشہور زمانہ باتوں کے لئے حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔ آخر میں اشاریہ و کتابیات کی فہرستیں بھی دیدی گئی ہیں۔ یقین ہے ان سے باذوق قارئین اور محققین کو تلاش و تحقیق میں سہولت ہوگی۔

''کلیات شبلی'' اردو کے ملک و بیرون ملک سے بے شمار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کی تفصیلات ''آثار شبلی'' اور ''کتابیات شبلی'' میں پہلے درج کی جا چکی ہیں۔ اس میں ''کلیات شبلی'' کے جس ایڈیشن کا حوالہ دیا گیا ہے اسے دارالمصنّفین کے ڈائرکٹر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے ۲۰۱۲ء میں نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے۔ اس ایڈیشن کی ضخامت بھی نسبتاً زیادہ ہے۔ البتہ اس موقع پر اس قلق کا اظہار شاید بے جا نہ ہو کہ ایک صدی گذر جانے کے باوجود 'کلیات شبلی' اردو کو ابتک نہ ایڈٹ کیا گیا اور نہ اس کی فرہنگ تیار کی گئی۔ البتہ پاکستان میں 'کلیات شبلی فارسی'

ڈاکٹر محمد ریاض نے ایڈٹ کر دیا ہے۔لیکن ابتک اس کی بھی اشاعت کی نوبت نہیں آئی ہے۔ ترتیب و تدوین نو مع فرہنگ ''کلیات شبلی'' اردو کی اہمیت اور ضرورت سے کسی نوع انکار نہیں ہوسکتا۔اب دیکھئے یہ کام علامہ کے کس حوصلہ مند قدرداں کے حصہ میں آتا ہے۔

اس کتاب میں جن اعلام واشخاص اور رجال کا تذکرہ شامل ہے،اس میں انبیاء ورسول بھی ہیں اور صحابہ کرام اور خلفائے راشدین بھی۔مسلمان علماء وفضلاء اور دانشوران ملک وملت بھی ہیں اور غیر مسلم اہل نظر اور صاحب تاج وتخت بھی۔شاہان اسلام بھی ہیں اور علوم وفنون کے بے تاج بادشاہ،یعنی حکماء وفلاسفہ بھی۔نیز مختلف زبانوں کے ادباء وشعراء اور ارباب کمال کے ذکر کمالات سے بھی یہ کتاب مزین ہے۔غرض اس کے مشمولات میں بڑا تنوع اور بڑی گونا گونی ہے۔ان شخصیات ورجال کی ''کلام شبلی'' میں موجودگی سے اس کی توقیر میں اضافہ ہوا ہے۔نیز ان سے فکر شبلی کی وسعت،ہمہ گیری اور اس کے وسیع کینوس کا بھی ایک عمدہ منظر نامہ سامنے آجاتا ہے۔

اعلام واشخاص کے حوالہ سے علامہ شبلی کی شاعری پر اپنے کرم فرما اور صاحب طرز ادیب حقانی القاسمی کی فرمائش پر ایک مقالہ لکھنے بیٹھا تو اختصار کی تمام تر کوششوں کے باوجود حجم بڑھتا گیا۔زیرنظر کتاب اسی مقالہ کی مکمل صورت ہے۔اس میں علامہ شبلی کی پوری شاعری کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یقین ہے افکار شبلی کی تفہیم وترسیل میں یہ کتاب بھی مفید ثابت ہوگی۔

اس موضوع پر اردو میں نسبتاً کم کام ہوا ہے۔تلمیحات پر کتابیں ضرور لکھی گئی ہیں اور بلاشبہ محنت وتحقیق سے لکھی گئی ہیں،لیکن اس حوالہ سے اردو ادباء وشعراء کا کم مطالعہ کیا گیا ہے۔اس میں بھی سب سے زیادہ توجہ علامہ اقبال کی شاعری کے اعلام ورجال کی طرف مبذول کی گئی ہے اوران سے متعلق کئی کتابیں لکھی گئی ہیں،لیکن مجھے اعلام واشخاص شبلی پر کام کرتے ہوئے ان سے مددنا کے برابر ملی۔علامہ اقبال کو اگرچہ متعدد مصنّفین نے علامہ شبلی کا معاصر قرار دیا ہے اور اسی حیثیت سے ان کا ذکر بھی کیا ہے،تاہم واقعہ یہ ہے کہ علامہ شبلی کا ان سے پہلے کی نسل سے تعلق تھا اور عمر میں ان سے بیس سال بڑے تھے۔یہی وجہ ہے ان کے اعلام واشخاص اور رجال مختلف ہیں۔اس لئے راقم کو اس نئی تصنیف کے لئے نئے برگ وبار سے کام لینا پڑا۔اللہ کا شکر ہے کہ

اس نے میری تمام تر نارسائیوں کے باوجود ایک بار پھر مطالعہ شبلی کے ایک نئے گوشے پر قلم اٹھانے اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشی۔اپنی کم علمی، کم مایگی اور بے بضاعتی کا خود سے بڑھ کر صحیح اندازہ داں کون ہوسکتا ہے۔؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہے، محض میرے رب کا فضل وکرم ہے۔ **ذالك يوتيه من يشاء۔**

ڈاکٹر خالد ندیم صاحب صدر شعبہ اردو اور مشرقی زبان یونیورسٹی آف سرگودھا، نامور اہل قلم اور مصنف ومحقق ہیں۔شبلی واقبال کے شیدائی ہیں۔اس حیثیت سے ہندوپاک کے علمی وادبی حلقوں میں معروف ہیں۔علامہ شبلی سے متعلق ان کی تین کتابیں ہندوپاک سے شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہیں۔اس میں ''شبلی کی آپ بیتی'' ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ڈاکٹر صاحب کی یہ شفقت قابل ذکر ہے کہ انہوں نے ہمیشہ میرے علمی وتحقیقی کاموں کو سراہا اور علامہ شبلی سے متعلق میری بعض گذشتہ مطبوعات پر مضامین لکھ کر حوصلہ بڑھایا۔اس کے لئے میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

برادر مکرم حافظ محمد عمیر الصدیق ندوی رفیق دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا بھی میں بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے خرابی صحت کے باوجود کتاب کا مطالعہ کیا اور ان مفید مشوروں سے رہنمائی کی۔دعا ہے کہ اللہ تعالی انہیں صحت وتندرستی کی دولت سے سرفراز کرے۔

ممتاز اہل قلم اور محقق برادر گرامی ڈاکٹر عطا خورشید صاحب مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔انہوں نے پوری کتاب کا بغور مطالعہ کیا۔متعدد اغلاط کی نشاندہی کی اور انتہائی اہم اور مفید مشوروں سے نوازا۔بہت سی معلومات بھی فراہم کیں، جن تک میری رسائی نہیں ہوسکی تھی۔اور پھر پیش لفظ سے کتاب کی زینت بھی بڑھائی۔واقعہ یہ ہے کہ اگر انہوں نے یہ ذرہ نوازی نہ کی ہوتی تو شاید کتاب کی اشاعت جلد ممکن نہ ہوتی۔ان عنایتوں کے لئے صمیم قلب سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس موقع پر میں اپنے کرم فرما حکیم وسیم احمد اعظمی اور محبّ مکرم ڈاکٹر عمیر منظر کی محبتوں کو بھی فراموش نہیں کرسکتا۔ان کی بے لوث محبت میرے لئے کسی سرمایہ ناز سے کم نہیں۔ برادر عزیز مولانا عرفات اعجاز اعظمی کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے کتاب کا اشاریہ تیار کرکے اسے زیادہ

کارآمد بنادیا ہے۔احباب میں ڈاکٹر محمد ارشد خاں (راج پوت ریجیمنٹ) کا ذکر ضروری ہے۔وہ میرے بہت اچھے دوست اور شاعر و ادیب ہیں۔ان کے قلم سے متعدد کتابیں نکل چکی ہیں۔ان کا مجموعہ کلام ''ساز رنگ و بو'' اور خاکوں کا مجموعہ ''جو اکثر یاد آتے ہیں'' ادبی حلقوں میں جلد فراموش نہ کئے جاسکیں گے۔ناچیز کی یہ کتاب ان کی محبتوں کے نام معنون ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

علامہ شبلی کے قدر دانوں کا برصغیر ہندو پاک میں ایک بہت بڑا حلقہ ہے۔ان میں چند بزرگ، بعض معاصر اور احباب میری ''شبلیاتی'' تحریروں اور نئی کتابوں کے منتظر رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انہی احباب اور بزرگوں کی محبت، خرابی صحت اور دنیا کے شور و شر کے باوجود طبیعت کو کام پر آمادہ رکھتی ہے۔مجھے امید ہے کہ میری یہ معمولی کوشش بھی انہیں پسند آئے گی اور وہ مجھے ایک بار پھر اپنی شفقتوں اور دعاؤں سے نوازیں گے۔

میرے بعض احباب اور چند ناقدین یہ دریافت کرتے رہے ہیں کہ میرے قلم کی روشنائی علامہ شبلی کی سیرت و شخصیت قلم بند کرنے ہی میں کیوں صرف ہوتی ہے۔؟

سچ تو یہ ہے کہ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔اپنی تمام تر بے بضاعتی کے باوجود محض اللہ کے فضل و کرم سے میری ابتک چالیس بیالیس کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر مقبول ہوچکی ہیں۔ان میں سولہ کتابیں علامہ شبلی کی شخصیت اور فکر و فن سے متعلق ہیں۔یعنی نصف سے زیادہ کتابیں دیگر موضوعات پر مشتمل ہیں۔شاید میرے دوستوں کی نظر کرم ابتک ان پر نہیں ہوئی۔واقعہ یہ ہے کہ علامہ شبلی سے متعلق میری جو کتابیں شائع ہوئی ہیں وہ منصوبہ بند طریقہ سے نہ لکھی گئیں اور نہ شائع ہوئیں، بلکہ جو کام سامنے آیا اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی۔شکر ہے رب کائنات کا کہ اس نے ان کاموں کی تکمیل کی توفیق بخشی۔لیکن بقول غالب:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مطالعہ شبلی کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔اس کے لئے اصلاً ٹیم ورک کی ضرورت ہے۔شخص واحد یہ کام تنہا انجام نہیں دے سکتا۔ارباب دارالمصنّفین یہ کام انجام دے سکتے تھے، لیکن بقول

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی صاحب وہ علامہ شبلی کے علمی وتاریخی منصوبوں کی تکمیل میں اس قدر منہمک رہے کہ ان کی توجہ اپنے بانی کی طرف نہ جاسکی۔ اس خیال میں بڑی حد تک سچائی ہے، اس لئے کہ مولانا سید سلیمان ندوی کے بعد دارالمصنّفین میں علامہ شبلی کی سیرت وشخصیت پر کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوسکا۔ سید صاحب نے جن کاموں کو تشنۂ تکمیل چھوڑا تھا، وہ بھی دارالمصنّفین کے اہل قلم کی ترجیحات میں شامل نہ ہوسکا۔ اب ایک صدی بعد دنیا کا منظر نامہ یکسر بدل گیا ہے۔ ان کی تکمیل کے لئے وسائل کے ساتھ اہل علم اور مخطوطات ومطبوعات میں پتہ ماری کرنے والے افراد کا ملنا بھی دشوار ہورہا ہے۔ بہرحال مجھ بے بضاعت سے جو کچھ بن پڑا راہ کی تمام تر دشواریوں کی پرواکئے بغیر انجام دیتا رہا۔ البتہ میری دلی خواہش ہے کہ اس کاروان شبلی شناسی میں اور اہل قلم بھی شامل ہوں تا کہ چراغ سے چراغ جلتا رہے۔ میں یوں بھی بائی پاس سرجری کے بعد چراغ سحر ہی ہوں۔

میں نے اپنی کتاب ''شبلی شناسی کے سو سال'' میں اس بات پر تاسف کا اظہار کیا تھا کہ علامہ شبلی کی یادگار دارالمصنّفین کے سوا ان سے منسوب کوئی دوسرا علمی، ادبی یا اشاعتی ادارہ قائم نہیں کیا جاسکا کہ علامہ شبلی سے متعلق کتب ورسائل بہ آسانی شائع ہوجاتے۔ اس کا ایک نقصان یہ ہوا کہ علامہ شبلی پر کام کرنے والے اہل قلم نے طبع واشاعت کی دشواریوں سے گھبرا کر اپنی راہیں بدل لیں۔ خود مجھے بھی ان دشواریوں کا بارہا سامنا رہا، بلکہ اب بھی یہ دشواری پیش آجاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حوصلہ مند نئی راہیں اور نئی منزلیں خود تلاش کر لیتے ہیں۔

ناچیز

محمد الیاس الاعظمی

ادبی دائرہ اعظم گڑھ

۲۳ر اگست ۲۰۲۰ء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[۵۷۱-۶۳۲]

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم [۵۷۱-۶۳۲ء] کی ذات مقدس سے علامہ شبلی کو ابتدا سے بے پایاں عقیدت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نظم ہو یا نثر، اردو ہو یا فارسی شاعری، سب میں انہوں نے شہنشاہ کونین کے دربار میں اخلاص و عقیدت کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ ''تاریخ بدء الاسلام''، ''سیرۃ النبیؐ' اور متعدد نظموں سے ان کے عاشقانہ جذبات عیاں ہوکر سامنے آتے ہیں۔ ان کی دینی اور نعتیہ شاعری بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ''کلیات شبلی اردو' اگرچہ ایک مختصر سا مجموعہ کلام ہے، تاہم اس میں غزل کے سوا تقریباً تمام اصناف سخن کے بہتر سے بہتر نمونے مل جاتے ہیں۔ حب نبویؐ کا تو قدم قدم پر اظہار و احساس موجود ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے لئے انہوں نے اپنی اردو شاعری میں درج ذیل الفاظ استعمال کئے ہیں:

حضرت والا، حضور، خیر الانام، رسول، رسول خدا، رسول عرب، رسول عربی، سرور عالم، شہنشاہ امم، محمدؐ وغیرہ۔

ظاہر ہے یہ تمام نام و نسبت اور القاب ضرورت شعری کے ماتحت بیان ہوئے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ بڑے برمحل استعمال ہوئے ہیں۔ ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ کلیات شبلی اردو میں سب سے زیادہ ذکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی ذات مقدس کا آیا ہے۔ اس کے بعد خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرام کا ذکر مبارک ہے اور اس میں سب سے زیادہ فاروق اعظمؓ کے کوکبہ جلال کی جلوہ گری ہے۔

(کلیات شبلی اردو ص: ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۹۰، ۹۱، ۹۹، ۱۶۵، ۲۰۵)

علامہ شبلی نے تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹/سال کی عمر میں حج بیت اللہ کے لئے رخت سفر باندھا اور جب روضہ اقدس کے سامنے پہنچے تو پکار اٹھے:

اے بکرم کار جہاں کردہ ساز
مرہمہ را پیش تو روئے نیاز

چوں بدرت آمدہ ام با امید
از کرم خویش مکن نا امید

چوں بدرت آمدم امیدوار
سایہ لطفے ز سرم بر مدار
(کلیات شبلی فارسی ص۱۰۰)

ابتدائے زمانہ کا یہ منظوم نذرانہ عقیدت کہیں غائب ہو گیا۔ البتہ اس کے مذکورہ اشعار ان کے ایک شاگرد اقبال احمد خاں سہیل [۱۸۸۶-۱۹۵۵ء] کے حافظہ میں محفوظ رہ گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر جس طرح ان کی اردو شاعری میں کثرت سے آیا ہے۔ اسی طرح فارسی کلیات بھی اس روشنی سے منور ہے۔ دور طالب علمی کا نذرانہ عقیدت اوپر گذر چکا ہے۔ اس کے علاوہ بعد میں دریافت آغاز شباب کے کلام میں بھی نعتیہ کلام موجود ہے۔ کلیات شبلی فارسی میں شامل ایک نعت کے ابتدائی دو اشعار یہ ہیں:

یا سائلی عن ذالخبر ، رحمے کہ امروزم دگر
از دیدہ شد خوں جگر ، وزدود آہ بے اثر

آید جہانم در نظر از بخت خود ہم تیرہ تر
تا کہ تواں کردن بسر، آتش زدہ در جان وتن
(کلیات شبلی فارسی ص۹۵)

پھر علامہ شبلی کا عشق رسولؐ ارتقاء کی منزلوں سے بھی پرے پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ وہ

''سیرۃ النعمان'' کے دیباچہ میں پکار اٹھے:

شیفتۂ نیم و پیمبر پرست
سجدہ اگر نیست زمیں بوس ہست

(کلیات شبلی فارسی ص ۴۶)

ان کے علاوہ بھی متعدد اشعار ذکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے روشن ہیں۔

(کلیات شبلی فارسی ص: ۱۰، ۱۱، ۴۶، ۹۵، ۹۶، ۱۰۰)

پروفیسر آرنلڈ

[۱۸۶۴-۱۹۳۰ء]

پروفیسر ٹی، ڈبلیو، آرنلڈ (Prof.T.W.Arnold.1864-1930) علامہ شبلی کے دوست بھی تھے اور استاذ بھی۔ خود فرماتے ہیں:

آرنلڈ آں کہ رفیق است و ہم استاذ مرا

۹/اپریل ۱۸۶۴ء کو ڈیون پورٹ انگلینڈ میں پیدا ہوئے۔ کیمبرج سے بی اے کیا۔ جرمن سنسکرت، عربی، فارسی اور اردو کئی زبانوں سے واقف تھے۔ ۱۸۸۷ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ میں فلسفہ کے استاذ مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۸ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں انجمن ترقی اردو قائم ہوئی تو پروفیسر آرنلڈ صدر اور علامہ شبلی سکریٹری منتخب ہوئے۔ ان کے قلم سے ۱۹/ کتابیں نکلیں۔ پریچنگ آف اسلام (The Preachings of Islam) ان کی سب سے مشہور تصنیف ہے جو ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی اور جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ اس کے دیباچہ میں انہوں نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ اگر علامہ شبلی ان کی علمی مدد نہ کرتے تو یہ کتاب اس قدر وقیع نہ ہوتی۔ اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ مترجم مولوی عنایت اللہ دہلوی [۱۸۶۹-۱۹۴۳ء] ہیں۔

پروفیسر آرنلڈ ایم اے او کالج علی گڑھ کے بعد اورینٹل کالج لاہور سے وابستہ ہو گئے۔

یہاں انہوں نے عربی میں ایک کتاب "**سواء السبیل الی معرفة المغرب والد خیل**" لکھی۔اس کے بعد وہ انڈیا آفس لندن کے اسسٹنٹ لائبریرین ہوکرلندن واپس چلے گئے۔ علامہ اقبال [۱۸۷۷-۱۹۳۸ء] نے ان سے اورینٹل کالج لاہور میں استفادہ کیااوروہ ان کے بہت قریب ہوئے تھے۔ان کے فکروفلسفہ کاان پرخاص اثر ہوا۔اس کاانہوں نے ذکربھی کیا۔

علی گڑھ کالج میں علامہ شبلی اورآرنلڈ کابرسوں ساتھ رہا۔مطالعہ ومباحثہ رہا۔علامہ نے ان سے فرنچ سیکھی اورانہوں نے علامہ سے عربی پڑھی۔علامہ شبلی کے روم ومصروشام کے سفرمیں پروفیسرآرنلڈ پورٹ سعیدتک ساتھ رہے۔وہ جب ہندوستان کوخیربادکہہ کرلندن واپس جارہے تھےاس وقت علامہ شبلی انہیں الوداع کہنےحیدرآباد سےبمبئی گئےاورانہیں منظوم نذرانہ بھی پیش کیا۔

چندسطوراوپرعلامہ شبلی کاایک مشہورفارسی مصرعہ گذراہے۔یہ دراصل پروفیسرآرنلڈ کے لئے کہے گئے اسی قصیدے کاایک مصرعہ ہے۔اس قصیدہ کےعلاوہ بھی بعض تعلیمی اورعلی گڑھ سے متعلق نظموں میں بھی پروفیسرآرنلڈ کاذکرآیاہے۔

(کلیات شبلی فارسی ص:۱۸،۲۰)

مولوی محمدحسین آزاد

[۱۸۳۰-۱۹۱۰ء]

اردوزبان وادب بالخصوص نثرکوجدیدرنگ وآہنگ اورنیااسلوب عطاکرنے والوں میں شمس العلماءمولوی محمدحسین آزاد[۱۸۳۰-۱۹۱۰ء] کانام سرفہرست ہے۔ہماری ادبی تاریخ میں ''آب حیات'' ان کالازوال اوربےمثال کارنامہ ہے۔ان کی دوسری تصنیفات سخندان پارس وغیرہ کم قیمتی نہیں ہیں۔علامہ شبلی کاان سےرابطہ قائم ہوامگران کی عمروں میں تفاوت تھا۔ان کا یہ دوسرا دوربھی تھااورپھروہ اسی عالم جنوں میں۲۲رجنوری ۱۹۱۰ءکوعالم جاودانی کوسدھارے۔ لاہورکی خاک میں آسودہ ہیں۔اس وقت علامہ شبلی ندوہ سے وابستہ تھے۔ان کےغم میں ندوہ بند کردیاگیااورایک تعزیتی جلسہ ہوا۔علامہ شبلی نے اس میں کہاکہ آج ''خدائےسخن'' مرگیا۔علامہ

شبلی ان کے بڑے مداح تھے۔ان کی انشا پردازی کے بارے میں لکھا ہے کہ کہیں بھی ہانک دیتا ہے تو وحی معلوم ہوتی ہے۔

''کلیات شبلی'' فارسی میں ''بزم تعلیم'' کے عنوان سے ایک ترکیب بند شامل ہے۔اس میں ڈپٹی نذیر احمد [۱۸۳۶-۱۹۱۲ء] اور مولانا حالی [۱۸۳۷-۱۹۱۴ء] کے ساتھ ان کا بھی نام آیا ہے۔

(کلیات شبلی فارسی ص:۴)

نواب سر آسمان جاہ اول

[۱۸۴۰-۱۸۹۸ء]

نواب سر آسمان جاہ اول، مدارالمہام سرکار نظام حیدرآباد دکن کا پورا نام اور لقب نواب محمد مظہرالدین، خاں بہادر، رفعت جنگ، عمدۃ الملک، امیر اکبر سر آسمان جاہ، کے سی آئی ای تھا۔ ۲۳؍فروری ۱۸۴۰ء کو پیدا ہوئے۔۱۸۸۷ء سے ۱۸۹۴ء تک ریاست حیدرآباد کے وزیر اعظم رہے۔ ملکہ وکٹوریہ کے جشن طلائی میں نظام حیدرآباد کی نمائندگی کی۔۱۶؍جولائی ۱۸۹۸ء کو وفات پائی۔

نواب سر آسمان جاہ جولائی ۱۸۸۸ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ تشریف لائے۔کالج کی طرف سے ان کی ضیافت کے لئے ایک تقریب منعقد ہوئی۔سر سید احمد خاں نے علامہ شبلی کی تصنیفات ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم'' اور ''المامون'' حصہ دوم ان کو کالج کی طرف سے بطور تحفہ پیش کیں۔اس موقع پر سر سید احمد خاں کی خواہش پر علامہ شبلی نے ان کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا۔یہ قصیدہ سر سید احمد خاں نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں ۲۴؍جولائی ۱۸۸۸ء کو شائع کیا ہے، مگر یہ ''کلیات شبلی'' میں شامل نہیں ہے۔اس کی دریافت اور ماہنامہ معارف اعظم گڑھ مئی ۲۰۱۵ء میں اشاعت کا فخر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی صاحب ڈائرکٹر دارالمصنّفین کو حاصل ہوا۔

اس میں نواب سر آسمانجاہ کی تعریف وتحسین کے ساتھ حکومت حیدرآباد کی فیاضیوں کا بیان ہے۔نظام حیدرآباد کی علم دوستی اور معارف پروری کے ساتھ علی گڑھ کالج سے ان کے تعلق کا بھی

ذکر ہے۔اور علی گڑھ کالج اور اس کے ذمہ داران اور اس سے وابستہ اشخاص ریاست حیدرآباد کو جس احسان مندی کی نظر سے دیکھتے ہیں،ان باتوں کو بھی منظوم کیا گیا ہے۔اس کے دو شعر بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

روز اول ہم ز سرکار نظام
آں کہ نامش حرز جاں آید ہمی
تاچہ بخشش ہائے گوناگوں رسید
کاں نہ در شرح و بیاں آید ہمی
(نوادرات شبلی ص:۱۸۷)

سرآغاخاں

[۱۸۷۷-۱۹۵۷ء]

سرآغا سلطان محمد شاہ معروف بہ آغا خاں ثالث [۱۸۷۷-۱۹۵۷ء] اسماعیلی بوہرہ اوران کے اڑتالیسویں امام تھے۔یہ منصب انہیں اپنے والد کے انتقال کے بعد ۸/سال کی عمر میں ملا تھا۔ان کی والدہ ایرانی شہزادی تھیں۔

بہرہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کے بڑے بہی خواہ تھے۔ان کا شمار ملک کے مدبر اور سنجیدہ اشخاص میں ہوتا تھا۔حکومت برطانیہ نے انہیں ہز ہائی نس کا خطاب دیا تھا۔ملکہ وکٹوریہ، قیصر جرمنی اور عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔علی گڑھ آئے تو سرسید نے ان کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔۱۹۰۲ء میں ایجوکیشنل کانفرنس دہلی کی صدارت انہی نے کی،جس میں علامہ شبلی کو انجمن ترقی اردو کا پہلا سکریٹری نامزد کیا گیا تھا۔

مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب،ایم اے،او،کالج علی گڑھ اور اردو زبان کے لئے جدو جہد ان کے لائق ذکر کارنامے ہیں۔علامہ شبلی سے بھی ان کے مراسم تھے۔علامہ شبلی کی خواہش پر وہ ۳/فروری ۱۹۱۰ء کو ندوہ کے معائنہ کے لئے تشریف لائے۔مفید مشورے دئے اور

ندوہ کے لئے پانچ سوروپئے سالانہ کی امداد بھی منظور کی۔ علامہ شبلی نے ان کی آمد پر ندوہ میں ایک نہایت شاندار جلسہ منعقد کیا تھا، جس میں عمائدین شہر بھی شریک ہوئے تھے۔ مگر ان کے ایک مضمون پر علامہ شبلی نعمانی نے اپنی شاعری میں ان پر سخت تنقید کی۔ دراصل ہوا یہ کہ جنگ بلقان کے زمانہ میں سر آغا خان نے ایک مضمون لکھ کر ترکوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ یورپ چھوڑ کر ایشیا میں جا بسیں تاکہ یورپ کے حملوں سے محفوظ رہیں۔ یہ بات مسلمانوں کو سخت ناگوار گذرنی تھی اور گذری۔ چنانچہ مسلمانوں نے سخت ناگواری کا اظہار کیا۔ علامہ شبلی کو بھی ان کا یہ خیال ناروا معلوم ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ایک نظم ''سر آغا خان کا خطاب ترکوں سے'' میں طنزیہ انداز میں ان کا جواب دیا۔ (کلیات شبلی اردو ص ۱۲۵)

علامہ شبلی کی یہ نظم ان کے فارسی کلیات میں شامل ہے۔ اس قطعہ کا عنوان ''خطاب سر آغا خان بترکان عثمانیہ'' ہے۔ دراصل یہ علامہ شبلی کی ترکوں سے محبت اور ان کی دینی حمیت کا ایک نمونہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام یا مسلمانوں پر کسی قسم کی تنقید برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔

علامہ شبلی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کے رکن تھے اور اس کے اجلاسوں میں شریک ہوتے تھے۔ اس کا ایک اجلاس لاہور میں سر آغا خان کی سربراہی میں منعقد ہوا تھا، جس میں علامہ شبلی نے بھی شرکت کی تھی۔ بعد ازاں انہوں نے ''مسلم یونیورسٹی'' کے عنوان سے ایک نظم کہی۔ اس میں اور باتوں کے ساتھ سر آغا خان کا بھی ذکر ہے۔ لیکن محض ذکر ہی ہے، کسی مناسبت کا اظہار نہیں۔

(کلیات شبلی فارسی ص: ۹۳، ۹۴)

آغا خان کی ترکوں سے ترک سکونت کی بات کہنا علامہ شبلی کو اس قدر ناگوار گذرا کہ انہوں نے اس کا کئی جگہ ذکر کیا۔ ایک اور نادر قطعہ جو کلیات میں شامل نہیں اور بعد میں دریافت ہوا اور وہ راقم کی کتاب ''نوادرات شبلی'' میں شامل ہے، یہاں نقل کیا جاتا ہے:

کھلا عقدہ نہ آغا خان کی اس شیوہ طرازی کا
بہت ہم عقل دوڑایا کئے ، ہر چند سر مارا

نظر آیا بالآخر ایک سیاح جہاں دیدہ
کہ حل کرد او زنیر و فراست ایں معما را
کہااس نے صلاح ترک یورپ پر تعجب کیوں
مگر شاید نمی دانی تو قوم و ملک آغا را
یہ ایرانی جو ہیں عاشقان خانہ بر انداز
ہے ان کا قول یہ باوصف فقد شاہی دارا
''اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمر قند و بخارا را''

(نوادرات شبلی ص:۲۲۱)

صاحبزادہ آفتاب احمد

[۱۸۶۷-۱۹۳۰ء]

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں [۱۸۶۷-۱۹۳۰ء] مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے ابتدائی طلبہ میں تھے۔علی گڑھ کے بعد ۱۸۹۱ء میں بیرسٹری کے لئے لنڈن گئے ۔۱۸۹۳ء میں بیرسٹر ہوئے۔ایک سال مزید رک کر تاریخ میں سند لی۔سرسید احمد خاں نے انہیں مدرسۃ العلوم کا ٹرسٹی مقرر کیا۔ان کا تعلق مسلم لیگ سے تھا۔اس کے وہ نہ صرف رکن تھے بلکہ دستور ساز کمیٹی کے ارکان میں بھی شامل تھے۔وہ یوپی قانون ساز کونسل اور اسٹیٹ کونسل آف انڈیا کے بھی رکن رہے۔۱۹۲۲ء میں مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر منتخب ہوئے۔آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے بھی ذمہ دار رہے۔

علامہ شبلی کے زمانہ قیام علی گڑھ میں وہ ایم اے او کالج کے طالب علم تھے۔باوجود اس کے علامہ شبلی سے ان کے مراسم کبھی اچھے نہیں رہے۔ایک وجہ اس کی یہ ہوسکتی ہے کہ علامہ شبلی کانگریس کے ہمدرد اور مداح تھے اور صاحبزادہ صاحب لیگی تھے۔

ندوہ میں علامہ شبلی کی شدید مخالفت ہوئی اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ طلبہ نے اس کے

خلاف اسٹرائک کی۔ علامہ شبلی نے استعفا دیدیا۔ تصفیہ ومصالحت کے لئے دہلی میں حکیم اجمل خاں [۱۸۶۸-۱۹۲۷ء] کی قیادت میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں صاحب زادہ آفتاب احمد نے مخالفین شبلی کی نہ صرف ہم نوائی کی، ساتھ دیا بلکہ ان کی حمایت میں تقریر بھی کی۔ پھر یہ سازش بھی کی کہ ایک ایسی معائنہ کمیٹی تشکیل دی جو علامہ شبلی کے خلاف اور مخالفین شبلی کے حق میں رپورٹ تیار کرے تاکہ ریاستوں نے ندوہ کی جو مالی امداد خلفشار کی وجہ سے روک دی ہے، وہ جاری ہوجائیں۔ علامہ شبلی نے اپنی دونظموں (جنگ زرگری حب علیؓ یا بغض معاویہؓ۔ اور ندوۃ العلماء اور رنگ معائنہ اغیار) میں ان پر سخت طنز وتعریض کی ہے۔ جو بڑی کاٹ دار ہیں۔ اصلاً وہ علامہ شبلی کے آنسو ہیں کہ اب وہ لوگ ندوہ کے معائنہ کے لئے آتے ہیں، جنہیں کبھی ندوہ کے نام سے بھی اجتناب تھا۔ ان نظموں کے پڑھنے کے بعد ہی ان کی اثر آفرینی اور علامہ شبلی کے صحیح جذبات کا احساس ممکن ہے۔ یہاں دوتین متفرق اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

کیا لطف ہے کہ حامی ندوہ ہیں اب وہ لوگ
جن کو کہ اس کے نام سے بھی اجتناب تھا
وہ لوگ جن کی رائے میں یہ ندوہ غریب
اک بیہدہ خیال تھا یا آنکہ خواب تھا
حیرت یہ ہے کہ مجمع دہلی میں یہ گروہ
ندوہ کے حل وعقد کا نائب مناب تھا
سیارگان چرخ علی گڑھ تھے پیش پیش
جن میں کوئی قمر تھا کوئی آفتاب تھا
سرشار ہے حمایت ندوہ میں وہ گروہ
جس کو کہ اس کے ذکر سے بھی اجتناب تھا

اختلاف اپنی جگہ ہے، مگر علامہ شبلی نعمانی نے جس شخص کے بارے جو شعر کہہ دیا ہے، وہ بڑا لاجواب ہے اور ابتک اس کی کوئی کاٹ نہیں ہوسکی۔

(کلیات شبلی اردو ص:۱۸۸،۱۸۹)

حضرت ابن زبیرؓ

[۶۲۴-۶۹۲ء]

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ [۶۲۴-۶۹۲ء] کے والد حضرت زبیرؓ بن عوام [۵۹۴-۶۵۶ء] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو اموی حکمراں عبدالملک بن مروان [۶۴۶-۷۰۵ء] نے حجاج بن یوسف [۶۶۱-۷۱۴ء] کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا اور یہ بھی کہ قبول نہ کرنے کی صورت میں اعلان جنگ ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ [۶۲۴-۶۹۲] کو خانہ کعبہ میں محصور ہونا پڑا اور پھر فوج بے دیں نے کعبہ ملت کا محاصرہ کرلیا۔ آخر کار حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اپنی والدہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کی خدمت میں گئے:

دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا
ماں کی خدمت میں گئے ابن زبیرؓ آخر کار
جا کے کی عرض کہ اے اخت حریم نبوی
نظر آتے نہیں اب حرمت دیں کے آثار
آپ فرمایئے اب آپ کا ارشاد ہے کیا
کہ میں ہوں آپ کا اک بندہ فرماں بردار
صلح کرلوں کہ چلا جاؤں حرم سے باہر
یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار
بولیں وہ پردہ نشیں حرم سر عفاف
حق پہ گر تو ہے تو پھر صلح ہے مستوجب عار

یہ زمیں ہے وہی قربان گہہ اسماعیل
فدیہ نفس ہے خود دین خلیلی کا شعار

یہاں اگر چہ حضرت ابن زبیرؓ کا ذکر روشن ہوکر سامنے آ گیا ہے، مگر علامہ شبلی نے اپنی نظموں کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس میں ''خواتین عرب کا ثبات واستقلال'' دکھانا تھا۔ یہ نظم اسی سلسلہ کی ایک کاوش ہے۔ اس میں بھی اصلاً حضرت ابن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماء کی جرات اوران کا استقلال دکھانا مقصود ہے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ والدہ سے اجازت ملنے کے بعد میدان کارزار میں آئے اور پھر جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اس کے آگے کا منظر علامہ شبلی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا
اس کو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابل دار
لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن
ان کی ماں نے نہ کیا رنج والم کا اظہار

اتفاقات سے اک دن جو ادھر جانکلیں
دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں یک بار
ہوچکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

تاریخ کے اس اندوہ ناک واقعہ پر علامہ شبلی نے ایک بار نہیں، بلکہ دو۔ دو بار طبع آزمائی کی ہے۔ اوران کی یہ دونوں تخلیقات ''کلیات شبلی'' میں یکجا درج کی گئی ہیں۔ علامہ شبلی نے دونوں نظموں کو علاحدہ علاحدہ شعری رنگ وآہنگ دینے کی دانستہ کوشش کی ہے۔ مگر چونکہ واقعہ ایک ہی تھا۔ شاعر اور شاعر کے جذبات اوراحساسات سب ایک ہی تھے۔ اس لئے دونوں تخلیقات میں کوئی قابل ذکر امتیاز پیدا نہیں ہوسکا ہے۔ البتہ عام ذوق کے متاثر کرنے کے لئے اس کا اسلوب

واندازِ سخن ہی کافی ہے۔

(کلیات شبلی اردو ص: ۱۱۵-۱۱۷)

حضرت ابن عمرؓ

[۶۱۰-۶۹۳ء]

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ [۶۱۰-۶۹۳ء] جلیل القدر صحابیؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے فرزند ہیں۔ علامہ شبلی کی ایک بہت مشہور نظم ''عدل فاروقی کا ایک نمونہ'' ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا ذکر خیر آیا ہے۔ ایک بار حضرت فاروق اعظمؓ نے منبر سے صحابہؓ سے مخاطب ہوکر کہا کہ میں اگر تمہیں حکم دوں تو کیا اس پر عمل کروگے۔ ایک صحابیؓ نے اٹھ کر کہا کہ ہم تسلیم نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ ہمیں آپ کے عدل میں فتور نظر آرہا ہے۔ مال غنیمت کی چادر سب کے حصہ میں ایک آئی تھی اور آپ کے جسم پہ جو لباس نظر آرہا ہے یہ اسی لوٹ کی چادر سے بنا ہوگا۔ کیونکہ ایک چادر میں آپ کا جسم مستور نہ ہوگا۔ آگے کا واقعہ علامہ شبلی کے الفاظ میں:

اپنے فرزند سے فاروق معظمؓ نے کہا
تم کو ہے حالت اصلی کی حقیقت پہ عبور
تمہیں دے سکتے ہو اس کا مری جانب سے جواب
کہ نہ پکڑے مجھے محشر میں مرا رب غفور
بولے یہ ابن عمرؓ سب سے مخاطب ہوکر
اس میں کچھ والد ماجد کا نہیں جرم و قصور
ایک چادر میں جو پورا نہ ہوا ان کا لباس
کرسکی اس کو گوارا نہ مری طبع غیور
اپنے حصہ کی بھی میں نے انہیں چادر دے دی
واقعہ کی یہ حقیقت ہے کہ جو تھی مستور

نکتہ چیں نے یہ کہا اٹھ کے کہ ہاں اے فاروقؓ
حکم دے ہم کو کہ اب ہم اسے مانیں گے ضرور
(کلیات شبلی اردو ص:۹۷)

ادیب شہیر مولانا عبدالسلام ندوی [۱۸۸۳-۱۹۵۶ء] نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک مختصر لیکن جامع و مانع سوانح عمری سپرد قلم کی ہے۔ جو ''حضرت عبداللہ ابن عمرؓ'' کے نام سے صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی پنڈی بہاء الدین پنجاب نے شائع کیا ہے۔ اس پر سنہ اشاعت اور کتاب کی دیگر تفصیلات درج نہیں ہیں۔ راقم الحروف نے مولانا عبدالسلام ندویؒ کی سیرت و سوانح پر ''یگانہ روزگار مولانا عبدالسلام ندوی'' کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اور جو کئی سال ہوئے ادبی دائرہ اعظم گڑھ سے شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہے۔ اس کی تصنیف و اشاعت کے وقت راقم الحروف کو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ پر لکھے جانے والے اس کتابچہ کا علم نہیں تھا۔

ابن مروان

[۶۴۶-۷۰۵ء]

اموی حکمراں عبدالملک بن مروان [۶۴۶-۷۰۵ء] ۶۸۵ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کے مخالف بہت تھے، مگر اس نے سیاسی شعور سے کام لے کر اپنی راہ کے ایک ایک کانٹے کو راہ سے ہٹا دیا اور بیس برس تک حکمرانی کی۔ یہ اموی حکمرانوں میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا تھا۔ اس نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی خلافت تسلیم نہیں کی اور حجاج بن یوسف کو بیعت لینے کے لئے بھیجا۔ بقیہ واقعہ حضرت ابن زبیرؓ کے ذکر میں آچکا ہے۔

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابن زبیر
سب نے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھائے یک بار
ابن مروان نے حجاج کو بھیجا پے جنگ
جس کی تقدیر میں مرغان حرم کا تھا شکار

(کلیاتِ شبلی اردو ص: ۔۱۱۵)

حضرت ابوبکر الصدیقؓ

[۵۷۳ - ۶۳۴ء]

تاریخ اسلام کی انتہائی اہم اور برگزیدہ شخصیت، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ [۵۷۳ - ۶۳۴ء]، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی اور سچے جاں نثاروں میں تھے۔ام المومنین حضرت عائشہؓ آپ ہی کی صاحبزادی تھیں۔یہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ہجرت مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سفر حضرت ابوبکرؓ ہی رہے۔غار کے ساتھی بھی یہی تھے۔متعدد جنگوں میں حصہ لیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ان کے جانشین اور مسلمانوں کے خلیفہ اول منتخب ہوئے۔دوسال تین ماہ اور نو دن اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔محض دوسال کی مدت میں مسیلمہ کذاب سے جہاد کیا اور یہی نہیں سب سے پہلے انہیں نے اسلام کے چراغ کو دائرہ عرب سے باہر روشن کیا۔

علامہ شبلی کی ایک نظم ''ہجرت نبویؐ'' ہے۔ظاہر ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔چونکہ غار ثور میں ایک ساتھ تھے، اس لئے یار غار کہلائے۔یار غار کی مثال بھی غالباً اسی واقعہ سے شروع ہوئی۔اس نظم یعنی ہجرت نبوی میں ان کا ذکر آنا لازم تھا۔ورنہ نظم ادھوری رہتی۔

اک فقط حضرت بوبکرؓ تھے ہمراہ رکاب
ان کی اخلاص شعاری تھی جو منظور نظر

رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے
کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر

ہجرت تاریخ اسلام کا بہت اہم واقعہ ہے۔علامہ شبلی نے اسی اہمیت کے ساتھ اسے منظوم

کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ نثر میں اسے واضح کرنا مشکل ہو رہا ہے، اس لئے آپ اسے کلیات میں ملاحظہ کر لیں۔ فارسی کلیات میں بھی ایک جگہ آپ کا ذکر خیر آیا ہے۔

(کلیات شبلی اردو، ص ۸۰، ۱۰۱۔ فارسی ص: ۱۰)

حضرت ابوسفیانؓ

[۵۶۰-۶۵۲ء]

علامہ شبلی کی ایک نظم بعنوان ''ایک خاتون کی آزادانہ گستاخی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم اورعفو'' ہے۔ یہ نظم اصلاً نعت کے زمرے میں آجاتی ہے۔ اس میں ہند زوجہ حضرت ابوسفیانؓ کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بے باکانہ بلکہ کسی قدر گستاخانہ انداز میں گفتگو کا ذکر ہے۔ علامہ شبلی نے دکھایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی حلم وعفو اور کمال درگذر کا ایک روشن اوراعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ اسی میں حضرت ابوسفیانؓ کا بھی نام آ گیا ہے۔

ہند تھی پردہ نشین حرم بو سفیان
لقب ہند جگر خوار سے جو ہے مشہور

اور جب ان کا نام تاریخ اسلام میں کہیں بھی آجاتا ہے تو ان کے دور کفر کے ظلم و جبر کے واقعات نگاہوں میں پھر جاتے ہیں۔ اور پھر رسول رحمتؐ کے وہ اوصاف حمیدہ جس کی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے سامنے آجاتے ہیں اور جی چاہتا ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبیؐ کے مطالعہ کی دعوت دی جائے۔

حضرت ابوسفیانؓ کفار مکہ کے سردار تھے۔ انہوں نے اسلام کی راہ میں بڑی رکاوٹیں کھڑی کیں۔ اور طرح طرح سے پریشان کیا۔ فتح مکہ کے وقت یہی مکہ مکرمہ کے امیر تھے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشتر مخالفین اسلام کو معاف کر دیا تھا۔ رحمت عالم کے اس فیصلہ سے بہت سے لوگ متاثر ہو کر اسلام لائے۔ فتح مکہ کے بعد حضرت ابوسفیانؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔ ۶۵۲ء میں مکہ میں وفات پائی۔

(کلیاتِ شبلی اردو ص:۸۴)

ارسطو

[۳۸۴-۳۲۲ق،م]

ارسطو[۳۸۴-۳۲۲ق،م]مشہوراور نامور یونانی فلسفی تھا۔افلاطون کا شاگرد اور سکندر اعظم کا استاذ تھا۔ایک بڑا مفکراور ماہر منطق تھا۔علم طب میں بھی اسے مہارت تامہ حاصل تھی۔ بقول شخصے''حیوانیات، ریاضیات، علم ہیئت، سیاسیات، مابعدالطبیعات اور علم الاخلاق پر قدیم حکماء کے مابین وہ مستند اور صاحب الرائے عالم وفاضل تسلیم کیا جاتا ہے۔ارسطو کی انتہائی مشہور کتاب''بوطیقا'' سے تو ہر شخص واقف ہے۔اس کے اردو میں پانچ سے زاید ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔عزیز احمد کا ترجمہ جو''فن شاعری'' کے نام سے شائع ہوا ہے،زیادہ مقبول ومتداول ہے۔ نامور ادیب ونقاد جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی اس کا ترجمہ کیا ہے۔ جسے ترقی اردو بورڈ نئی دہلی نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا۔

''بوطیقا'' کے علاوہ بھی ارسطو نے متعدد کتب و رسائل یادگار چھوڑے ہیں۔الاخلاق، المعقولات، مابعدالطبیعہ، العبارہ، البرہان، الجدل، الخطابہ، الشعر، النفس، الحیوان، الحس و المحسوس وغیرہ اس کی انتہائی قیمتی اور یادگارِ زمانہ تصنیفات وتالیفات ہیں۔

ارسطو کی بلند فلسفیانہ حیثیت کے سبب اہل قلم اس کا اور اس کے فکر وفلسفہ کا ذکر کرتے ہی رہتے ہیں۔علامہ شبلی نے بھی''کلیاتِ شبلی''اردو میں اس کا ذکر کیا ہے۔

نام لیتے تھے ارسطو کا ادب سے ہرچند
تھے فلاطون الٰہی کے بھی گو شکر گذار

علامہ شبلی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہم علم کے قدرداں تھے اور اہل علم کا نام ادب اور احترام سے لیتے تھے،مگر اب تو یہ حالت ہے کہ

ہیں شریعت کے مسائل بھی وہیں تک محدود

کہ جہاں تک انہیں معقول بتائیں اغیار

(کلیاتِ شبلی اردو ص:۱۱۴)

ہربرٹ اسپنسر

[۱۸۲۰-۱۹۰۳ء]

ہربرٹ اسپنسر (Herbert Spencer.1820-1903) انگلینڈ کے شہر ڈربی میں پیدا ہوا۔ وہیں تعلیم حاصل کی اور اس قدر محنت سے تعلیم حاصل کی اور اس قدر کمال حاصل کیا کہ اس کا شمار اپنے عہد کے ماہر فلسفہ وحکمت اور ریاضی دانوں کے صف اول میں ہوا۔ یہ اپنے فکر وفلسفے کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ علامہ شبلی نے اپنی مثنوی ''صبح امید'' میں متعدد حکماء وفلاسفہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنی قومی اور تاریخی شاعری جس کے اصلاً وہ بانی مبانی ہیں اکثر غیرت قومی کے ذکر میں مشاہیر علوم وفنون کا ذکر کرتے ہیں اور مشاہیر اسلام کے بالمقابل ان کا ذکر موازنہ کے طور پر کرتے ہیں۔ ۱۹۰۷ء میں علامہ شبلی نے ندوہ میں ایک ترکیب بند پیش کیا تھا۔ اس میں اسپنسر اور بیکن دونوں کا نام لیا گیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

توبہ فرمودہ اسپنسر و بیکن نازی
سخن آں جا ہمہ از گفتہ یزداں باشد

(کلیاتِ شبلی فارسی ص:۱۰)

اسفندیار

[...]

ایرانی پہلوان اسفندیار جو اصلاً ایرانی ادب کا ایک کردار ہے اور جو اپنے حریف کو شکست دینے کے لئے آج تک معروف ہے۔ اور آج بھی جب کسی بہادر یا حریف مقابل کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسے رستم واسفندیار سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ علامہ شبلی نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن

کمیٹی کے ایک اجلاس میں موافق ومخالف کے درمیان زبردست معرکہ آرائی دیکھی تو اسے رستم و اسفندیار سے تشبیہ دی۔

میں خیال کرتا تھا کہ اختلاف کی گرم بازاری ہمارے عہد کی مصیبت ہے، مگر معلوم ہوا کہ یہ عہد شبلی میں غالباً عہد حاضر سے بھی زیادہ بڑی مصیبت تھی اور ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالنا عام بات تھی۔ مثلاً مسلم یونیورسٹی کے قیام کے لئے ''علی گڑھ مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی''، جس وقت قائم ہوئی گو اس وقت علامہ شبلی نعمانی علی گڑھ کالج کی ملازمت سے علاحدہ ہوکر ندوہ کی تعمیر وترقی میں منہمک تھے، تاہم یونیورسٹی کے ٹرسٹیز اور ذمہ داروں نے انہیں بھی اس کمیٹی کا ایک رکن نامزد کیا۔ چنانچہ انہوں نے فاؤنڈیشن کمیٹی کے اجلاسوں میں شرکت کی۔ اسی طرح کے ایک اجلاس کی انہوں نے منظوم روداد لکھی ہے۔ جو کلیات شبلی میں ''یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کا اجلاس لکھنؤ'' کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ اجلاس ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو منعقد ہوا تھا۔ اس میں احرار بھی شریک تھے۔ علامہ شبلی نے ان کی شعلہ بیانی اور ہنگامہ خیزی کا سماں اس طرح باندھا ہے۔

احرار کی صفوں کی صفیں ہیں جمی ہوئی
مجلس تمام عرصہ گہہ کارزار ہے
اسٹیج پر ہر ایک بپھرتا ہے اس طرح
گویا حریف رستم و اسفندیار ہے
ہاتھ اٹھ رہے ہیں یا علم فتح ہے بلند
چلتی ہوئی زبان ہے یا ذوالفقار ہے
(کلیات شبلی اردو ص:۱۷۴)

حضرت اسماعیل علیہ السلام

[۰۰۰]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں آیا

ہے۔ذبیح اللہ ان کا لقب ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خانہ کعبہ کی تعمیر میں یہ بھی شریک تھے۔اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آزمائش کے لئے خدا کی راہ میں اپنی سب سے قیمتی متاع قربان کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بتایا کہ ایسا میرے رب کا حکم ہے تو وہ قربان ہونے کے لئے فوراً راضی ہو گئے۔یہ تاریخ انسانی کا انتہائی اہم واقعہ ہے۔اور اسی سے اسلام قربانی کا آغاز ہوا۔

علامہ شبلی کی نظم ''خواتین عرب کا ثبات واستقلال'' میں دونوں باپ بیٹوں کا ذکر ایک شعر میں بیان ہوا ہے۔اس نظم میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور ابن مروان کے درمیان ہونے والی جنگ کا ذکر ہے۔شعر یہ ہے:

یہ زمیں ہے وہی قربان گہہ اسماعیل
فدیہ نفس ہے خود دین خلیلی کا شعار
(کلیات شبلی اردو ص:۔۱۱۶)

افلاطون

[۴۲۸-۳۴۸ق م]

افلاطون [۴۲۸-۳۴۸ق م] یونان کا مشہور اور نامور فلسفی،متعدد علوم فلسفہ، ریاضی، منطق، فلکیات،طبیعات اور مابعد الطبیعات میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔اس نے ان علوم میں تاریخ ساز کارنامے انجام دئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ سیکڑوں برس سے وہ فکر انسانی پر اثر انداز ہے۔اس نے فلسفہ کے باقاعدہ مطالعہ کے لئے اپنے وطن ایتھنز میں ایک اکیڈمی قائم کی تھی۔جہاں وہ لکچر دیا کرتا تھا۔ان علوم وافکار میں اس کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ارسطو جیسا نامور فلسفی اس کا شاگرد ہے۔جس نے استاذ کے مکالمات کی تشریح وتفسیر کی۔''جمہوریت'' اور ''مکالمات افلاطون'' اس کی مشہور ومتداول تصنیفات ہیں۔ان کتابوں کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔علامہ شبلی کی ایک بڑی اہم نظم ''مذہب یا سیاست'' کلیات شبلی میں شامل ہے۔اس

میں انہوں نے ارسطو اور افلاطون کا نام اس طرح لیا ہے:

نام لیتے تھے ارسطو کا ادب سے ہر چند
تھے فلاطون الٰہی کے بھی گو شکر گذار

جانتے تھے مگر اس بات کو بھی اہل نظر
کہ حریفوں کو نہیں انجمن خاص میں بار

(کلیات شبلی اردو ص:۔۱۱۴)

اکبرالہ آبادی

[۱۸۴۶-۱۹۲۱ء]

خان بہادر، لسان العصر، سید اکبر حسین اکبرالہ آبادی [۱۹۴۶-۱۹۲۱ء] اردو میں طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے باوا آدم ہیں۔ طنز و مزاح کے پیکر میں انہوں نے سنجیدہ موضوعات اور انسانی مسائل و معاملات کو جس خوب صورتی سے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے اور اس سے جو مفید کام لیا ہے، وہ بس انہی کے ذوق سلیم کا حصہ تھا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ انہیں پر ختم بھی ہو گیا۔ ہماری ادبی تاریخ ان کی نرالی اور فکر انگیز شاعری کو کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔

اکبرالہ آبادی ۱۶؍نومبر ۱۸۴۶ء کو موضع نارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ جس کا موجودہ نام پریاگ راج ہے۔ اکبر نے عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ۱۸۵۶ء میں جمنا مشن اسکول میں داخل ہوئے۔ ۱۸۶۸ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور نائب تحصیل دار مقرر ہوئے۔ ۱۸۷۳ء میں وکالت کا اعلیٰ امتحان پاس کر کے منصفی کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں ترقی کر کے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں اسی عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ ۹؍ستمبر ۱۹۲۱ء کو الہ آباد میں وفات پائی۔ ان کا کلام ''کلیات اکبر'' کے نام سے تین حصوں میں شائع ہوا ہے۔ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اکبرالہ آبادی علامہ شبلی سے عمر میں گیارہ سال بڑے تھے۔ باوجود اس کے دونوں میں بڑے بے تکلفانہ مراسم تھے۔ یہ تعلقات غالباً علامہ شبلی کے قیام علی گڑھ کے ابتدائی زمانہ میں قائم ہوئے اور پھر مدۃ العمر باقی رہے۔ علامہ شبلی کی الہ آباد بھی آمد و رفت رہتی تھی۔ یہاں ان کے چھوٹے بھائی محمد اسحاق وکیل وکالت کرتے تھے اور بھتیجے محمد عثمان شہر الہ آباد کے کوتوال تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے قیام الہ آباد کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ

''میر اکبر حسین صاحب قافیوں کے بادشاہ تھے۔ الہ آباد میں ایک دفعہ مولانا نے کہا کہ میر صاحب میں آپ کی تلاش قافیہ کا جب قائل ہوں گا، جب آپ میرے نام کا قافیہ باندھیں۔ میر صاحب نے ہنس کر فرمایا ''دیکھئے میں آپ کو بھی باندھتا ہوں''۔ بات ہنسی میں ختم ہوگئی۔ ایک دو روز کے بعد میر صاحب نے ۲۳/ نومبر ۱۹۰۷ء کو دعوت کا ایک منظوم رقعہ ان کے پاس بھیجا۔ جس میں لکھا تھا:

آتا نہیں مجھ کو قبلا قبلی ۔۔۔ بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اٹھاؤ آج کی رات ۔۔۔ کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دَلیا ۔۔۔ سمجھو اس کو پلاؤ قلیا

اسی زمین میں اکبرالہ آبادی کا یہ شعر بھی ہے جس میں نثر میں ادائے غالب لینے کا ذکر ہے مگر یہ شعر ''کلیات اکبر'' میں راقم کی نظر سے نہیں گذرا۔

واہ! کیا بات ہے تیری شبلی
نثر میں بھی ادائے غالب لی

علامہ شبلی نے اس منظوم دعوت نامہ کا منظوم جواب لکھا:

آج دعوت میں نہ آنے کا مجھے بھی ہے ملال
لیکن اسباب کچھ ایسے ہیں کہ مجبور ہوں میں
آپ کے لطف وکرم کا مجھے انکار نہیں
حلقہ در گوش ہوں ممنون ہوں مشکور ہوں میں

لیکن اب وہ میں نہیں ہوں کہ پڑا پھرتا تھا
اب تو اللہ کے افضال سے تیمور ہوں میں
دل کے بہلانے کی باتیں ہیں وگر نہ شبلی
جیتے جی مردہ ہوں، مرحوم ہوں، مغفور ہوں میں

ابتدا میں اکبرالہ آبادی کا تحریک علی گڑھ اور سرسید احمد خاں کے متعلق دل صاف نہیں تھا۔ اس سے انہیں مذہب بیزاری کا خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ وہ شاعری کے حوالہ سے اس دور میں مشرقی تہذیب کے علمبردار اور مغربی تہذیب کے شدید مخالف تھے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ مشرق و مغرب میں بعدالمشر قین ہے:

بہت مشکل ہے نبھنا مشرق ومغرب کا یارانہ
ادھر صورت فقیرانہ ، ادھر سامان شاہانہ

مگر بعد میں بلکہ سرسید احمد خاں کی وفات کے بعد ان کا دل صاف ہوگیا تھا اور ان کی تحسین وستائش بھی کرنے لگے تھے کہ ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا۔ البتہ علامہ شبلی کے فضل وکمال کے وہ ہمیشہ معترف ومداح رہے۔

اڈیٹر بول اٹھے دیکھ کر شبلی کے فوٹو کو
اسی کے دم سے اب زندہ ہے مشرق کا کتب خانہ

ایک اور قطعہ میں فرماتے ہیں:

شبلی کا قلم علم کی منزل پہ جما ہے
رفتار پہ آنر کی قدم اس کا تھما ہے
چمکی ہوئی ہے بزم سلف اسکے یہاں سے
روشن ہیں یہ معنی کہ وہ شمس العلماء ہے

اور اکبرالہ آبادی مدۃ العمر علامہ شبلی نعمانی کو شمس العلماء ہی سمجھتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی اور ان کی آخری یادگار دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سے بھی ربط وتعلق ہمیشہ باقی رکھا۔ ان باتوں کا ذکر مولانا سید سلیمان ندوی نے ''یادرفتگاں'' میں ان کے وفیاتی مضمون میں کیا ہے۔

(یادرفتگاں ص۴۲،۴۳،۴۳۔ وکلیات شبلی اردو ص۲۱۱)

جلال الدین محمد اکبر

[۱۵۴۲-۱۶۰۵ء]

مغل بادشاہ ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر[۱۵۴۲-۱۶۰۵ء] کا شمار دنیا کے نامور اور طاقتور بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ وہ۱۴رسال کی عمر میں تخت نشیں ہوا اور تقریباً پچاس برس تک ہندوستان پر کشور کشائی کی۔ علامہ شبلی نے اپنی نظم ''ہمارا طرز حکومت'' میں شہنشاہ اکبر کا ذکر کیا ہے۔ اس نظم میں جہاں گیر کی شادی کے موقع پر اس کی دلہن جو ایک غیر مسلم شہزادی تھی، اس کی ڈولی خود شہنشاہ اکبر اور شہزادہ جہاں گیر اپنے کاندھوں پر لے آئے تھے۔ اس واقعہ کو علامہ شبلی نے ''عطر محبت کی شمیم انگیزی'' سے تعبیر کیا ہے۔

یہی ہیں وہ شمیم انگیزیاں عطر محبت کی
کہ جن سے بوستان ہند برسوں تک معطر تھا

یہ نظم علامہ شبلی کی چند عمدہ نظموں میں سے ایک ہے۔

(کلیات شبلی اردو ص:۱۰۲)

امیر النساء۔ امیرا

[۱۸۴۹-۱۹۰۸ء]

امیر النساء امیرا[۱۸۴۹-۱۹۰۸ء] شجاع الدین طیب جی[۱۸۲۹-۱۸۷۸ء] کی بیٹی اور علامہ شبلی کے دوست حسن علی آفندی[۱۸۳۸-۱۹۰۳ء] کی شریک حیات تھیں۔ انہی کے بطن سے زہرہ بیگم اور عطیہ بیگم فیضی[۱۸۷۷-۱۹۶۷ء] پیدا ہوئیں۔ انہیں شعر وادب سے بڑا دلگاؤ

تھا۔اردو،عربی، فارسی،انگریزی اور مراٹھی کئی زبانوں سے واقف تھیں۔اردو میں شاعری بھی کرتی تھیں۔ان کے دو مجموعہ کلام ''یادگار امیرا'' اور'' آمین'' شائع ہوئے۔۱۹۳۵ء میں ان کی بڑی اور صاحب ذوق بیٹی زہرا بیگم [۱۸۶۶-۱۹۴۰ء] نے ان دونوں مجموعہ ہائے کلام کو زیور طبع سے کرایا۔

امیرالنساء امیرا کے سانحہ وفات پر اپنے دوست کی بیٹیوں کی دلجوئی کے لئے علامہ شبلی نعمانی نے بزبان زہرا بیگم ان کا مرثیہ لکھا۔جو''خطوط شبلی'' مرتبہ محمدامیں زبیری [۱۸۷۰-۱۹۵۸ء] میں شامل ہے۔مولانا سید سلیمان ندوی[۱۸۸۴-۱۹۵۳ء] نے اس مرثیہ کو'' کلیات شبلی'' فارسی میں شامل کیا ہے۔ان کے مطابق یہ نظم ۲۷رفروری ۱۹۰۹ءکو کہی گئی۔

(کلیات شبلی فارسی ص:۴۴)

اس کے علاوہ دو اور فارسی قطعات'' خطوط شبلی'' مرتبہ محمد امین زبیری [۱۸۷۰-۱۹۵۸ء] میں شامل ہیں۔لیکن وہ'' کلیات شبلی'' میں جگہ نہیں پا سکے ہیں۔مولانا سید سلیمان ندوی نے عدم شمولیت کے اسباب کی وضاحت نہیں کی ہے۔یہ دونوں قطعات بھی اصلاً امیرالنساء امیرا کے مرثیہ کا ہی حصہ ہیں۔دوسرا قطعہ قابل ذکر ہے:

نازم کہ ایں عطیہ وفیض امیرہ ایست
کآوازہ سخاش بہ عالم رسیدہ است

ہر جا کہ نام او برسیدست در جہاں
ہم فیض او رسیدہ وتوام رسیدہ است

آں بانوے خجستہ کہ از فرخ اختری
نامش بہ اوج برشدہ طارم رسیدہ است

آئینہ را اگر شرف دست بوس اوست
ایں فیض ہم بہ خامہ وخاتم رسیدہ است

یا رب بہ ظل رحمت خویشش نگاہ دار
کزابردست او بہ ہمہ نم رسیدہ است
(آثارشبلی ص۴۵٦)

امیراللہ تسلیم لکھنوی

[۱۸۱۹-۱۹۱۱ء]

نام احمد حسین ہے۔منشی امیراللہ تسلیم لکھنوی[۱۸۲۰-۱۹۱۱ء] کے نام سے مشہور ہیں۔اردو کے نامور غزل گوشاعر گذرے ہیں۔نواب اصغر علی خاں نسیم دہلوی[۱۸۰۰-۱۸٦٦ء] کے شاگرد تھے۔اس طرح ان کا شعری سلسلہ شیخ ظہورالدین حاتم[۱٦۹۹-۱۷۹۱ء] سے ملتا ہے۔

علامہ شبلی نے ابتدا میں ان کے تخلص کے وزن پر اپنا تخلص تسنیم اختیار کیا تھا۔ابتدائی دور کا کلام بالخصوص غزلیں انہی کے رنگ میں ہیں۔اوران میں یہی تخلص پایا جاتا ہے۔

ضعف میں بھی یہ مرے تیر فغاں کا زور ہے
روک لے اس کو کہاں یہ آسماں میں زور ہے

نیست تھی اس کی کمر پر تونے ثابت کردیا
واہ وا تسنیم کیا تیرے بیاں میں زور ہے
(آثارشبلی ص۴۸۴)

علامہ شبلی نے بعد میں اپنے نام ''شبلی'' ہی کو اپنا تخلص قرار دیدیا اور تمام اردو وفارسی کلام میں اسی تخلص کو استعمال کرتے رہے۔البتہ کہیں کہیں قصائد میں اپنا پورا نام یعنی ''شبلی نعمانی'' بھی

بطور تخلص استعمال کیا ہے، مگر ایسا بہت کم ہی جگہوں پر ہوا ہے۔ ان کے دونوں دواوین میں سوائے ایک دو مثالوں کے تیسری مثال مشکل ہی سے ملے گی۔

سید امیر علی

[۱۸۴۹-۱۹۲۸ء]

سید امیر علی [۱۸۴۹-۱۹۲۸ء] ذی علم اور بڑے بیدار مغز مسلمان تھے۔ یورپ میں اسلام اور مسلمانوں کی اپنے عہد میں ایک شناخت بن گئے تھے۔ انگریزی زبان پر بڑی دست رس حاصل تھی۔ انگریزی قوانین اور تاریخ سے متعلق کئی کتابیں لکھیں۔ جس میں ''اسپرٹ آف اسلام'' (Sprit of Islam) اور تاریخ اسلام جس کا ترجمہ باری علیگ نے کیا ہے بہت مقبول ہوئی۔ ان کے بعض خیالات سے اہل علم کو اختلاف بھی رہا، تاہم ان کے علم وفضل کے سب معترف تھے۔ علامہ شبلی نے ان کو مخاطب کر کے ایک نظم کہی ہے جو کلیات شبلی اردو میں شامل ہے۔ اس کا عنوان ''خطاب بہ رائٹ آنریبل سید امیر علی'' ہے۔ جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی [۱۸۸۴-۱۹۵۳ء] نے اس پر یہ نوٹ لکھا ہے کہ

> ''۱۹۱۲ء میں مسلم لیگ نے اپنے اہم اجلاس کے لئے جس میں احرار کی دراندازی کا خوف تھا، آنریبل سید امیر علی کو صدارت کے لئے نامزد کیا تھا۔ انہوں نے منظور کیا، مگر عین وقت پر اس لئے انکار کیا کہ لیگ سفر خرچ کی رقم مہیا نہ کر سکی۔''
>
> (کلیات شبلی اردو، ص۱۴۴)

علامہ شبلی نے اپنی نظم میں اس صورت حال پر جو تنقید کی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس میں جو نکتہ آفرینی اور جدت طرازی سے بات میں بات پیدا کی ہے، وہ خاص قابل ذکر ہے۔ شاعری میں یہ طنز وتعریض اور کاٹ بس انہی کا حق تھا۔

اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ علامہ شبلی مسلمانوں کے لئے مسلم لیگ کو ناپسند ہی نہیں مضر بھی خیال کرتے تھے۔ ''کلیات شبلی'' میں مسلم لیگ پر جو متعدد نظمیں شامل ہیں، وہ ان کے ہندوستان

میں نظریہ سیاسیات کا واضح اعلان بھی ہیں۔اس نظم میں بھی جا بجا سید امیر علی[۱۸۴۹-۱۹۲۸ء] کے ساتھ مسلم لیگ اور لیگی خیالات وظریات پر طنز کے ساتھ نقد بھی ہے۔چند متفرق اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

ہر چند لیگ کا نفس واپسیں ہے اب
اس ہستی دو روزہ پہ جس کو غرور تھا

وہ دن گئے کہ بت کدہ کو کہتے تھے حرم
وہ دن گئے کہ خاک کو دعوی نور تھا

وہ دن گئے کہ شان غلامی کے ساتھ بھی
ہر بوالہوس خمار سیاست میں چور تھا

لے دے کے رہ گیا تھا سہارا بس آپ کا
یہ جسم مردہ منتظر نفخ صور تھا

امید تھی کہ اب کی بدل جائیں گے اصول
مٹ جائے گا نظام میں جو کچھ فتور تھا

یہ کیا ہوا کہ آپ نے بھی بے رخی سی کی
کیا آپ کو بھی راز نہاں پر عبور تھا

(کلیات شبلی اردو ص:۱۴۴)

حضرت امیر معاویہؓ

[۶۰۲-۶۸۰ء]

حضرت امیر معاویہؓ بڑے جلیل القدر صحابی رسولؐ ہیں۔ان کی اور خلیفہ سوم حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے درمیان جو معرکہ آرائی ہوئی وہ تاریخ اسلام کا ایک اہم لیکن متنازع باب ہے۔ان واقعات کا ذکر بھی گذشتہ ۱۴۰۰ برسوں کے درمیان اس طرح رہا کہ وہ ایک محاورہ ''حب علیؓ یا بغض معاویہؓ'' بن گیا۔علامہ شبلی نے بھی اس محاورہ کا جابجا استعمال کیا ہے۔''کلیات شبلی'' میں شامل ان کی نظم کا عنوان ''جنگ زرگری،حب علیؓ یا بغض معاویہ'' ہے۔

اختلافات ندوہ پر لکھی گئی ہے۔اس میں سیارگان علی گڑھ نے جس طرح مخالفین شبلی کا ساتھ اس کا ذکر ہے۔علامہ نے سیارگان علی گڑھ کے اس رویے کو بغض معاویہ قرار دیا ہے۔

بغض معاویہ ہے یہ حب علی نہیں
اک ایک کی زباں پہ یہ فصل الخطاب تھا

عہد حاضر کے سلگتے ہوئے مسائل پر طنز ومزاح میں انتہائی حزم واحتیاط سے شاعری کرنے کا جو ہنر علامہ شبلی نعمانی کے یہاں پاجاتا ہے،وہ اپنی مثال آپ ہے۔یہ وصف ان کے معاصرین میں شاید ہی کسی کے حصہ میں آیا ہو۔اس نظم میں بھی ان کی اس مہارت کے متعدد جلوے پوشیدہ ہیں۔طوالت کے خوف سے اشعار نقل نہیں کئے جارہے ہیں۔

''کلیات شبلی'' فارسی میں بھی حالات سفر روم میں دو مقامات پر ان کا ذکر آیا ہے اور دونوں قابل ذکر ہیں۔اس کے لئے کلیات فارسی کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

(کلیات شبلی اردو ص:۱۸۸۔کلیات شبلی فارسی ص:۲۰،۲۱)

خواجہ امین الدین امین لکھنوی

[•••]

ایم اے او کالج علی گڑھ کے تعاون کے لئے سرسید اور علامہ شبلی وغیرہ نے ۱۸۹۱ء میں

حیدرآباد کا جو سفر کیا تھا اس سے متعلق علامہ شبلی نے خواجہ امین الدین امین لکھنوی کو ایک منظوم خط لکھا تھا۔ اس کے ابتدائی اشعار:

مرحبا قاصد فرخندہ بنہ گام براہ
کہ ترا فضل خدا با بہر حال پناہ

تیز تر می رود در راہ میاسائے دمی
تابجائے کہ رسی در حرم آں درگاہ

حضرت خواجہ امین اوصلنی اللہ بہ
صاحب لطف وکرم صیرنی اللہ فداہ

یہ نامہ منظوم ''کلیات شبلی'' فارسی میں شامل ہے۔ اس میں حالات سفر حیدرآباد کو قدرے تفصیل سے منظوم کیا گیا ہے۔ نامہ منظوم کے درمیان میں بھی خواجہ امین الدین کا ذکر آیا ہے۔ گو یہ ان کو مخاطب کر کے لکھا ہی گیا ہے۔ ''کلیات شبلی'' فارسی میں اس نامہ منظوم کا عنوان ہے ''نامہ بنام خواجہ امین الدین صاحب لکھنوی متضمن حالات سفر از لکھنو تا حیدرآباد، ۱۸۹۱ء''۔

۱۸۹۱ء میں حیدرآباد کا جو سفر سرسید اور علامہ شبلی وغیرہ نے کیا تھا وہ لکھنو سے نہیں علی گڑھ سے کیا تھا، جبکہ اس کے عنوان میں اس کا آغاز لکھنو سے لکھا گیا ہے۔ یہ خط اگرچہ حیدرآباد ہی سے متعلق ہے مگر شاید کسی اور موقع کا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مرتب مولانا سید سلیمان ندوی کو سنہ لکھنے میں غالباً سہو ہوا۔

نامہ منظوم امین لکھنوی کو کیوں لکھا گیا؟ علامہ شبلی اور امین لکھنوی سے کس طرح کے مراسم وتعلقات تھے وغیرہ۔ اس کی تفصیل باوجود تلاش وتحقیق کے دستیاب نہ ہوسکی اور نہ خواجہ صاحب کے حالات ہی کہیں مل سکے۔

(کلیات شبلی فارسی ص:٦)

راجہ اندر

[•••]

ہندؤں کے عقیدہ کے مطابق ''اندر'' ان کے دیوی دیوتاؤں کے راجہ کا نام ہے۔ یہ برمہا، وشنو اور شیو کے بعد ہندؤں کے تمام دیوتاؤں سے برتر ہیں۔ ساحر لکھنوی نے ''اندر'' کے تعارف میں لکھا ہے کہ

> ''ہندو دیومالا کے اعتبار سے اندر بہشت کے حکمراں اور بارش کے دیوتا ہیں۔ امانت نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف میں راجہ اندر کو ایک راجہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے جو راگ ورنگ اور عیش وعشرت کی علامت ہے۔ دیو اور پریوں پر اس کی حکمرانی ہے۔ اس کی محفل میں پریاں رقص کرتی ہیں اور دیو خدمت گاری کرتے ہیں۔'' (تلمیحات ومصطلحات ص۴۲)

''رگ وید'' میں راجہ اندر کی شجاعت ، اولوالعزمی اور بہادری کا بار بار ذکر ہوا ہے۔ اس میں ان کے پورے خانوادے کا ذکر ہے کہ ان کی بیوی کا نام شچی اور بیٹا جینت تھا۔

(بحوالہ تلمیحات انشاء ص۱۶۹)

علامہ شبلی نے اپنے قومی مسدس جس کا عنوان ''تماشائے عبرت'' ہے، اس میں ''اندر'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس مسدس کو علامہ شبلی نے علی گڑھ کے قومی تھیٹر میں پیش کیا تھا۔ جس میں سرسید احمد خاں اور دیگر عمائدین تحریک علی گڑھ نے حصہ لیا تھا اور سب نے اپنے الگ الگ کردار ادا کئے اور سب کے سب نے دانستہ یہ کوشش کی کہ قوم میں اپنی پستی اور زبوں حالی کا احساس بیدار ہو جائے۔ اس قومی مسدس کا تمہیدی شعر ہے کہ۔

اس سبھا میں بھی نظر آئے گا اندر کوئی
مسخرا بن کے بھی آئے گا مقرر کوئی

(کلیات شبلی اردو ص:۶۱)

ایاز

[م:۱۰۵۷ء]

ملک ایاز [م:۱۰۵۷ء] ابن آئماق ابوالنجم، سلطان محمود غزنوی [۹۷۱-۱۰۳۰ء] کا غلام تھا۔ان دونوں کی سلطانی و بندگی نے دنیا بھر میں شہرت پائی۔حکیم الامت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال [۱۸۷۷-۱۹۳۸ء] کے ایک شعر نے تو ایاز کو زندہ جاوید کر دیا۔وہ شعر یہ ہے:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

ایاز کی وفاداری، بہادری، شعور و دانش مندی اور حسن کی وجہ سے سلطان محمود غزنوی اسے بے حد عزیز رکھتا تھا۔بعد میں وہ امیر لشکر بھی مقرر ہوا۔سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد اس کے صاحب زادے مسعود بن محمود کے زمانہ میں لاہور کا امیر بنایا گیا۔دونوں کے تعلقات اور خاندان غزنہ کی تاریخ کے بارے میں ڈاکٹر عارف بٹالوی نے ایک مفصل کتاب لکھی ہے، جس کا نام ''محمود و ایاز'' ہے۔اسے اشاعت منزل پل روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔کتاب میری نظر سے نہیں گذری ہے۔

علامہ شبلی نے ۱۸۹۰ء میں ایک قصیدہ ''متضمن در تحسین طرز نو'' کہا تھا۔اس میں محمود و ایاز کے حوالہ سے یہ شعر کہا ہے۔

داستاں چند تواں کرد ز محمود و ایاز
تا یکے خود سخن از وامق و عذرا ماند

نوعیت شعری کا فرق ہو سکتا ہے، مگر یہ شعر ڈاکٹر اقبال کے شعر سے کم رتبہ نہیں۔یہ الگ بات ہے کہ ڈاکٹر اقبال کے شعر کو جو مقبولیت ملی وہ بے مثل ہے۔اس کے برعکس علامہ شبلی کے شعر کو کوئی جانتا بھی نہیں۔اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ یہ شعر فارسی میں ہے۔

(کلیات شبلی فارسی ص:۱۶،۳)

مسٹر جوزف بک

[•••]

مسٹر تھیوڈر بک [۱۸۵۹-۱۸۹۹ء] ایم اے او کالج علی گڑھ کے پرنسپل تھے۔ وہ ۱۸۸۳ء سے ۱۸۹۹ء تک کالج سے بحیثیت پرنسپل وابستہ رہے۔ جوزف بک ان کے والد تھے۔ وہ لندن سے ہندوستان کی سیاحت کے لئے آئے اور اپنے بیٹے کے پاس علی گڑھ کالج میں ٹھہرے تو کالج کی طرف سے ایک شام ان کو ڈنر دیا گیا۔ اس موقع پر علامہ شبلی نے ان کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ جس کا انگریزی ترجمہ بقول منشی محمد امین زبیری [۱۸۷۰-۱۹۵۸ء] ان کے بھائی مسٹر مہدی حسن بیرسٹر ایٹ لا نے پیش کیا۔ اس قصیدہ میں مسٹر جوزف بک کی تعریف و تحسین اور ان کی ہندوستان آمد پر مرحبا کہا گیا ہے۔ مسٹر تھیوڈر بک علامہ شبلی کے دوست بھی تھے اور کالج کے پرنسپل بھی۔ یہی تعلق اور محبت اس قصیدہ میں بھی کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ یہ قصیدہ ۱۵/اشعار پر مشتمل ہے۔ یہاں دو شعر نقل کئے جاتے ہیں:

چنیں باشد چو دولت یار وطالع سازگار آید
کہ جوزف بک بہ مہمانی کالج زاں دیار آید

بہ ہر سو جلوۂ رنگ مسرت را تماشا کن
کہ جوزف بک بہ سیر ہند با خویش وتبار آید

(آثار شبلی ص: ۴۴۹)

''کلیات شبلی'' کی ترتیب وتدوین کے زمانہ میں غالباً یہ قصیدہ مولانا سید سلیمان ندوی کو نہ مل سکا تھا۔ اس لئے ''کلیات شبلی'' میں شامل نہیں ہے۔ کلیات کی اشاعت سے پہلے خود علامہ شبلی نے بھی اپنے جو مجموعہ ہائے کلام ''مجموعہ نظم شبلی'' یا ''دیوان شبلی'' شائع کئے تو ان میں بھی یہ اور اس طرح کے بعض دوسرے قصاید شامل نہیں ہو سکے ہیں۔ علامہ شبلی نے ان کی عدم شمولیت کے اسباب کا بھی کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔

حضرت بلالؓ

[م:۲۰ھ]

حضرت بلالؓ بن رباح [م:۲۰ھ] کا تاریخ اسلام میں بہت اعلیٰ وارفع اور بلند مقام و مرتبہ ہے۔ وہ صحابی رسولؐ اور مسجد نبویؐ کے موذن تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مثالی محبت حب رسولؐ کا ایک استعارہ بن گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ ان کا بہت ادب، احترام اور اکرام کرتے تھے۔ وہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بڑی سخت اذیتیں دیا کرتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے انہیں آزاد کرایا۔

علامہ شبلی کی ایک بہت مشہور نظم ''مساوات اسلام'' ہے۔ واقعتاً یہ بہت معرکے کی نظم ہے۔ اس میں انہوں نے مساوات اسلامی بیان کرنے میں بطور مثال حضرت بلالؓ کے نکاح کے واقعہ کو پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

بارگاہ نبویؐ کے جو موذن تھے بلالؓ
کرچکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینہ میں کہیں
جاکے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر

میں غلام حبشی اور حبشی زادہ بھی ہوں
یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و زر
ان فضائل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے
ہے کوئی جس کو نہ ہو میری قرابت سے حذر
گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور
جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر

عہد فاروقی میں جس دن کہ ہوئی ان کی وفات
یہ کہا حضرت فاروقؓ نے بادیدۂ تر
اٹھ گیا آج زمانے سے ہمارا آقا
اٹھ گیا آج نقیب حشم پیغمبرؐ
(کلیات شبلی اردو ص:۹۱)

بوعلی سینا

[۹۸۰-۱۰۳۷ء]

شیخ الرئیس ابوعلی الحسین ابن عبداللہ ابن سینا[۹۸۰-۱۰۳۷ء] جو ابن سینا اور بوعلی سینا کے ناموں سے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ ابن سینا طب، حکمت اور فلسفہ کے میدان میں یکتائے روزگار بلکہ دانائے راز تھے۔ ''القانون فی الطب'' ان کی انتہائی شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔ جس سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ حتیٰ کہ یہ کتاب ایک مدت تک یورپ کے نصاب تعلیم میں شامل رہی اور پڑھی پڑھائی گئی۔ ''الادویہ'' ان کی دوسری مشہور کتاب ہے۔ دنیائے طب وحکمت میں ان دونوں کتابوں کو صحائف کا درجہ حاصل ہے۔

سفر قسطنطنیہ میں وہاں کے کتب خانوں میں علامہ شبلی نے ابن سینا کی تصنیفات وتالیفات کو بغور دیکھا تھا۔ اس کی تفصیل سرسید احمد خاں[۱۸۱۷-۱۸۹۸ء] کے نام خطوط میں لکھی ہے۔ اس کے کارناموں پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ ابن سینا کا ذکر علامہ شبلی نے اپنے ایک قصیدے میں وہاں کیا ہے، جہاں انہوں نے مسلمان حکماء وفلاسفہ اور دیگر علوم وفنون کے نادرہ روزگار اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں:

روم واٹلی کے مدرسے میں کئی صدیوں تک
تھا سند فلسفہ بوعلی سینا کیسا
(کلیات شبلی اردو ص:۷۷)

بونصر فارابی

[۸۷۰-۹۵۰ء]

ابونصر محمد بن محمد الفارابی [۸۷۰-۹۵۰ء] مشہور مسلمان ماہر فلسفہ اور سائنس داں تھے۔ مدۃ العمر علم وفن کی تحصیل میں سرگرم رہے۔ مطالعہ اور تحصیل علم ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے اپنی زندگی کے پچاس سال حصول علم میں صرف کئے۔ فارابی ہی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک رات وہ مطالعہ میں مشغول تھے کہ چراغ کا تیل ختم ہو گیا۔ ان کی ابھی تشنگی علم دور نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ گھر سے باہر نکل آئے اور پہرہ دار سے کہا کہ وہ کچھ دیر رک جائے تو اس کے چراغ کی روشنی میں اپنا سبق یاد کرلوں۔ چنانچہ پہرہ دار ٹھہر گیا اور ابونصر فارابی نے اس کے چراغ کی روشنی میں اپنا سبق یاد کیا۔ دوسرے دن پھر فارابی نے پہرہ دار کو روکا، مگر وہ آج نہیں رکا تو ابونصر فارابی نے اس سے ساتھ چلنے اور راہ میں اس کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرنے کی اجازت چاہی۔ پہرہ دار نے اجازت دیدی، مگر فارابی کے روز روز کے مطالبہ سے بچنے کے لئے اگلے دن پہرہ دار نے ایک لالٹین اسے لاکر دیدی۔

ابونصر فارابی فلسفہ وسائنس کے علاوہ متعدد علوم میں درک وبصیرت رکھتے تھے۔ ان کی سائنسی ایجادات وتحقیقات کا شہرہ بھی یورپ تک پہنچا اور ایک عرصہ تک یورپ ان کے علم وفن سے خوشہ چینی کرتا رہا۔ علامہ شبلی نے اسی برتری علم وفن کے سبب اپنے کلام میں ان کا ذکر کیا ہے:

اب بھی لندن میں غزالی کی ہے شہرت کیسی
اب بھی جرمن میں ہے بونصر کا چرچا کیسا
(کلیات شبلی اردو ص:۷۷)

بیدل شاہ جہاں پوری

[•••]

سید حامد حسین بیدل شاہ جہاں پوری جیسا کہ نام سے ظاہر ہے شاہ جہاں پور اتر پردیش

کے رہنے والے تھے۔ایک مہذب گھرانے میں پیدا ہوئے۔وہیں تعلیم وتربیت ہوئی۔دینی تعلیم حاصل کی اوراردو،عربی اورفارسی زبانوں میں کامل دستگاہ حاصل کی۔تحصیل علم کے بعدآگرہ کے کسی اسکول میں استاذ مقرر ہوئے۔اسی زمانہ میں ان کی شادی ہوئی۔بڑی خوش وخرم زندگی گذار رہے تھے اورابھی شادی کوایک سال بھی نہیں گذرے تھے کہ بیوی نے انتقال کیا۔اس حادثہ کا ان پر اس قدر گہرااثر ہوا کہ گھر بار سب سے بیگانہ ہوگئے۔یہاں وہاں گھومتے ہوئے بمبئی پہنچے۔کاروبار شروع کیا جس میں بڑی برکت ہوئی۔کئی برس عیش میں گذرے۔بمبئی میں ان کی رہائش اہل علم کا مسکن ہوگئی تھی۔عبدالمجید سالک مرحوم نے متعدد لوگوں کا ذکر کیا ہے جو بمبئی میں ان کے مہمان ہوئے۔سرشیخ عبدالقادر مدیر مخزن لاہور بھی ان کے ایک سے زاید بار مہمان ہوئے۔علامہ شبلی کے متعلق لکھا ہے کہ بیدل بمبئی میں ان کے گائڈ کا کام کرتے اورخوب سیر وتفریح ہوتی تھی،لیکن کچھ عرصہ بعدان کی تجارت نفع بخش نہیں رہی تو اسے ترک کردیااوراگلی منزل لاہور ٹھہری۔پوری زندگی جہانیاں جہاں گشت رہے۔موت بھی دیارغیر بھوپال میں ایک دوست کے گھر آئی اورغالباًوہ بھوپال ہی کی زمین کا پیوند ہوئے۔

بیدل اردو وفارسی کے ممتاز شاعر تھے۔داغ دہلوی [۱۸۳۱-۱۹۰۵ء] سے شرف تلمذ حاصل تھا بلکہ ان کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔داغ ان پر اس قدر اعتماد کرتے تھے کہ اپنے دوسرے تلامذہ کا کلام بھی اصلاح کے لئے ان کے حوالہ کردیدیتے تھے۔علامہ شبلی سے بھی گہرے مراسم تھے۔مولوی عبدالمجید سالک[۱۸۹۳-۱۹۵۹ء]نے''یاران کہن''میں ان کا خاکہ لکھاہے۔اس میں وہ لکھتے ہیں:

> ''داغ کے علاوہ مولاناشبلی کی خدمت میں بھی مولانابیدل کوخصوصی نیاز حاصل تھا۔چنانچہ بیدل صاحب ہی نے اصرارکرکے مولاناسےان کے فارسی کلام کاایک مجموعہ''بوئے گل''مرتب کرایاتھا۔خودمولاناشبلی نے اس مجموعے کے آغاز میں دوشعر لکھے ہیں جواس اصرارکاثبوت ہیں۔قطعہ ملاحظہ ہو:
>
> ہرزہ چند بہم بافتن وپیش کساں

عرضہ دادن نہ پسندیدہ عاقل باشد

من ہم ایں کار نمی خواستم از دل اما
چہ تواں کرد چو فرمودہ بیدل باشد
(یاران کہن ص ۲۳۸)

عبدالمجید سالک مرحوم کو ذرا سا سہو ہوا۔ یہ قطعہ ''بوئے گل'' کے لئے نہیں بلکہ علامہ شبلی کے پہلے مجموعہ'' دستہ گل'' کے سلسلہ میں ہے۔اور'' بوئے گل'' اور'' دستہ گل'' دونوں مجموعوں میں شامل نہیں ہے، بلکہ علامہ شبلی کی وفات کے بعد ان کے بقیہ کلام کا ایک مجموعہ جو''برگ گل'' کے نام سے شائع ہوا۔اس میں یہ شامل ہے۔'' برگ گل'' مولوی معین الدین احمد قدوائی رئیس رسولپور ضلع بارہ بنکی نے مرتب کیا تھا۔اور وہ معارف پریس اعظم گڑھ سے شائع ہوا تھا۔ سرورق کے علاوہ ۲۶ رصفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق پر سلسلہ مطبوعات دارالمصنّفین نمبر درج نہ ہونے سے خیال ہوتا ہے کہ یہ اس کی مطبوعات میں شامل نہیں ہے۔ غالباً مولوی معین الدین قدوائی نے ذاتی طور پر معارف پریس اعظم گڑھ سے چھپوایا تھا۔

بیدل شاہ جہاں پوری ایک بار لاہور پہنچ گئے۔ وہاں ان کے احباب نے بقول عبدالمجید سالک ''مخزن'' کا مدیر مقرر کرا دیا۔ چنانچہ کئی ماہ تک وہ مخزن کی ادارت بڑی دلجمعی سے کرتے رہے اور اچھے شمارے شائع کئے۔ پھر دفتری احباب کی کوئی بات ناگوار گذری تو اس سے بھی دست بردار ہو گئے۔ بعد ازاں مطبع مفید عام لاہور میں مصحح ہو گئے۔ یہاں کا ایک بڑا ادبی کارنامہ ''دیوان غالب'' کی ترتیب وتصحیح اور اشاعت ہے۔ یہ'' دیوان غالب'' راقم الحروف کی نظر سے گذرا ہے۔ بیدل کے اس تذکرہ میں ان کی کچھ باتیں مولانا عبدالمجید سالک کی ''یاران کہن'' سے لی گئی ہیں۔ افسوس کہ جناب مبارک کی کتاب ''سخنوران شاہ جہاں پور'' کے صفحات ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

بیدل شاہ جہاں پوری کے حوالہ سے ''دستہ گل'' سے متعلق علامہ شبلی نے جو قطعہ کہا ہے وہ

اب ''کلیات شبلی'' فارسی میں شامل ہے۔

(کلیات شبلی فارسی ص:۹۲)

فرانسس بیکن

[۱۵۶۱-۱۶۲۶ء]

لارڈ فرانسس بیکن [۱۵۶۱-۱۶۲۶ء] نامور فلسفی، ماہر قانون داں اور مشہور سائنس داں تھا۔ زندگی میں ابتدائی ناکامیابیوں کے بعد ترقی کی اور اٹارنی جنرل مقرر رہا۔ رشوت کی شکایت کے بعد اسے مستعفی ہونا پڑا۔

فرانسس بیکن ایک بڑا مصنف اور اہل قلم بھی تھا۔ مختلف موضوعات پر اس نے گراں قدر کتابیں لکھیں۔ اس میں ''علم کی ترقی'' اور ''تجدد عظیم'' قابل ذکر ہیں۔ اس نے افسانے اور انشائیے بھی لکھے۔ اس کے اقوال انگریزی ادب میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

علامہ شبلی نے مثنوی ''صبح امید'' میں اس کا بھی نام لیا ہے۔

وہ گنج گران دانش و فن
وہ فلسفہ جدید بیکن

ایک فارسی ترکیب بند میں جو ندوۃ العلماء لکھنو میں پڑھا گیا تھا علامہ شبلی نے اسپنسر اور فرانسس بیکن دونوں کا ذکر کیا ہے۔

(کلیات شبلی اردو ص:۴۵۔ کلیات شبلی فارسی ص:۱۰)

تیمور

[۱۳۳۶-۱۴۰۵ء]

شجاع الدین، امیر تیمور [۱۳۳۶-۱۴۰۵ء] جو عرف عام میں تیمور لنگ کہا جاتا ہے۔ اس کا شمار دنیا کے عظیم ترین فاتحین میں ہوتا ہے۔ وہ ایک زبردست جنگ جو، فاتح اور سلطنت تیموریہ کا

بانی تھا۔چین سے لے کر بحیرہ روم تک کا علاقہ آن کی آن میں اس کے زیر نگیں تھا۔

تیمور سمرقند کے قریب ایک قصبہ ''کش'' میں پیدا ہوا جو اب ازبکستان میں واقع ہے۔ وہ ابتدا سے بڑا بہادر تھا۔جنگوں میں مسلسل فتح و کامرانی حاصل کرتا ہوا وسط ایشیا پر قابض ہو گیا۔اس کے قلمرو میں ترکستان، خوارزم، کاشغر، ہرات، خراسان، فارس، عراق، آذربائیجان، آرمینیا، میسو پوٹامیہ اور جارجیا وغیرہ شامل تھے۔۱۳۹۸ء میں اس نے ہمارے ملک ہندوستان پر بھی حملہ کیا اور محمود شاہ تغلق [۱۳۹۴-۱۴۱۴ء] کو شکست سے دوچار کیا۔اس نے محمود شاہ تغلق کو صرف شکست ہی نہیں دی بلکہ دلی کو لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا۔ یکے بعد دیگرے فتح نے اس کے حوصلے بلند کر دئے تھے۔آخر میں چین کو بھی وہ فتح کرنا چاہتا تھا اور اس پر ایک بڑے حملے کی زور وشور سے تیاری کر رہا تھا کہ ۱۹؍جون ۱۴۰۵ء کو اس نے دفعتاً انتقال کیا۔اس کی قبر سمرقند، ازبکستان میں واقع ہے جو ازبکستان کا دوسرا بڑا شہر ہے۔

امیر تیمور لنگڑا تھا۔علامہ شبلی نعمانی کا اخیر عمر میں [۱۷؍مئی ۱۹۰۷ء کو] بارود سے بھری ہوئی بندوق ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھتے ہوئے ان کی بہو سے دب گئی اور گولی چل گئی ۔وہ گولی جا کے علامہ شبلی کے پاؤں میں لگ گئی تھی۔اس وجہ سے ان کا ایک پاؤں کاٹ دیا گیا تھا۔مصنوعی پاؤں کے سہارے وہ ٹھہر ٹھہر کر چلتے تھے۔ایک قطعہ میں جو علامہ شبلی نے اکبر الہ آبادی [۱۸۴۶-۱۹۲۱ء] کے رقعہ دعوت کے جواب میں لکھا تھا،اس میں اپنے پاؤں کے کٹنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود کو تیمور سے تشبیہ دی ہے:

آج دعوت میں نہ آنے کا مجھے بھی ہے ملال
لیکن اسباب کچھ ایسے ہیں کہ مجبور ہوں میں
لیکن اب وہ میں نہیں ہوں کہ پڑا پھرتا تھا
اب تو اللہ کے افضال سے تیمور ہوں میں

(کلیات شبلی اردو ص:۲۱۱)

ٹیلر Mr.H.G.S.Tylor

[•••]

مسٹر ایچ، جی، ایس، ٹیلر برٹش انڈیا میں ضلع کان پور صوبہ متحدہ آگرہ واودھ کا انگریز کلکٹر تھا۔ مسجد مچھلی بازار کانپور کو مسمار کرنے اور پھر جب مسلمانوں نے تعمیر کا قصد کیا تو نہتے مسلمانوں پر گولیاں برسائیں۔ اس کے بارہ میں اس سے زیادہ معلومات نہ مل سکیں۔ ''کلیات شبلی'' میں اس کا نام غلطی سے ٹبلر لکھ گیا ہے اور یہ غلطی کلیات کے پچھلے ایڈیشن سے چلی آ رہی ہے۔

علامہ شبلی نے سانحہ مسجد مچھلی بازار کان پور ۱۹۱۳ء سے متعلق جو متعدد تاریخی قطعات کہے ہیں اور جن سے اس وقت ملک میں ایک عام بے چینی پیدا ہوگئی تھی۔ ان میں ایک فارسی قطعہ بھی شامل ہے۔ اس میں مسٹر ٹیلر (Tylor) کا ذکر آیا ہے، مگر دیکھئے کس طرح آیا ہے:

ہر یکے از ما چو کار خویشتن انجام داد
تاچرا ایں یک شکایت می کند از دیگرے
آں بود ٹیلر کہ فرمان داد بہر قتل ما
ایں منم کاندرمیان خاک وخوں بینی سرے

دیکھئے گر عبرت نگاہ ہو۔ ابھی ایک صدی سے کچھ زاید کا عرصہ گذرا ہے، ٹیلر صاحب کا نام ونشان مٹ گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ آج نہیں تو کل وقت کا ہر ٹیلر مٹ کر نشان عبرت بن جائے گا۔

(کلیات شبلی اردو ص: ۱۶۵)

حضرت جبریل امین

[•••]

حضرت جبریل امین علیہ السلام سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ انہیں روح الامین اور روح القدس بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وہ فرشتہ ہیں جو نبیوں کے پاس ان کا پیغام یعنی وحی پہنچاتے تھے۔ غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلی وحی لے کر آپ ہی آئے تھے۔ یہ

عموماً انسانی شکل میں آتے تھے۔البتہ دومرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کوان کی اصلی صورت میں دیکھا تھا۔

شعراء حضرت جبریل امین اوران کے''اسرار''پرطبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔علامہ شبلی کی ایک نظم''مذہب یا سیاست''ہے۔اس میں انہوں نے بھی دکھایا ہے کہ وہ مذہب ہی تھا،جس نے عربوں کی کایاپلٹ دی۔اور یہ کہ وہ عرب جنہیں دنیا رہزن اورخیال کرتی تھی،وہ حضرت جبریل امین کےاسرارفاش کرنے لگے:

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن
فاش کرنے لگے جبریل امیں کے اسرار

(کلیات شبلی اردوص:۱۱۲

جمشید

[...]

جمشید ایران کاایک بڑاعادل،منصف اورنیک طینت بادشاہ گذراہے۔اس نے اپنے دور حکمرانی میں ایران میں بڑی بڑی عمارتیں اورشاہراہیں تعمیر کرائیں۔تخت جمشید جس کے آثار گذشتہ صدی کےاواخرتک باقی تھے،اسی کی یادگار کے باقیات تھے۔تخت جمشیدی کےافتتاح پر جمشید نے جوجشن خوشی ومسرت منعقد کیا تھا،جس میں اس کےامراء واعیان شریک ہوئے تھے، اس کی یادمیں پارسی قوم آج بھی جشن نوروزمنعقد کرتی ہے۔

جمشید حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے(۵۷۰ رق م) پہلے پیدا ہوا۔مشہور یونانی فلسفی اور ریاضی داں حکیم فیثاغورث [۵۷۰-۴۹۵ق م]نے اس کے لئے راگ اورساز ایجاد کئے۔ ایک قول کے مطابق شراب اسی کے زمانہ میں تیار ہوئی۔جام جم اسی نے بنوایا تھا۔پارسیوں اور اہل ہند کےفرقے بلکہ تمام انسانوں کی چارحصوں میں تقسیم اسی نے کی تھی۔آہنی تیغ ونیزہ اسی کے عہد میں تیار ہوئے۔کاشتکاری اور پارچہ بافی وغیرہ کوبھی اسی کے دور سے منسوب کیا جاتا ہے۔

(فرہنگ آصفیہ، ج۲ص:۴۸)

علامہ شبلی کی بہت مشہور غزل کا ایک شعر ہے:

نثار بمبئی کن ہر متاع کہنہ و نو را
طراز مسند جمشید وفرتاج خسرورا

علامہ شبلی نعمانی کی ۲۶ فارسی غزلوں کا اکبر علی خاں عرشی زادہ [۱۹۴۰-۱۹۹۷ء] مرحوم نے منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ اس میں مذکورہ غزل بھی شامل ہے۔ راقم نے ان تمام غزلوں کو اپنی کتاب ''شبلی: سخنوروں کی نظر میں'' جمع کر دیا ہے۔

(کلیات شبلی فارسی ص:۵۷)

جنید نعمانی

[م:۱۲/اپریل ۱۹۳۳ء]

محمد جنید نعمانی [م:۱۲/اپریل ۱۹۳۳ء] سب جج کان پور علامہ شبلی نعمانی کے برادر اصغر تھے۔ گھریلو تعلیم کے بعد شبلی نیشنل اسکول اعظم گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ یہاں ان کے ایک لائق استاذ قاضی عبدالرحمٰن حیرت اعظم گڑھی تھے۔ وہ علامہ شبلی نعمانی کے شاگرد، ادیب وشاعر اور متعدد کتب و رسائل کے مصنف ومولف تھے۔ ان کے بعض رسائل کتب خانہ دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی میں محفوظ ہیں۔ علامہ شبلی کا ایک طویل مرثیہ ''ماتم شبلی'' بھی ان کی یادگار رہے۔ ناچیز کی تالیف ''شبلی: سخنوروں کی نظر میں'' ان کا تذکرہ قلم بند کیا گیا ہے۔ یہ ضلع اعظم گڑھ کے موضع قاضی سرائے کے رہنے والے تھے۔ شبلی نیشنل اسکول میں استاد تھے۔ علامہ شبلی کے فرزند حامد حسن نعمانی [۱۸۸۰-۱۹۴۲ء] اور مسٹر جنید نعمانی ہم عمر تھے۔ علامہ شبلی نے ان دونوں کی دیکھ بھال پر قاضی عبدالرحمٰن حیرت کو مامور کیا تھا۔

(قاضی عبدالرحمٰن حیرت۔ ماتم شبلی ص ۱۵)

مسٹر محمد جنید نعمانی شبلی نیشنل اسکول اعظم گڑھ کے بعد اعلی تعلیم کے لئے ایم اے او کالج علی گڑھ گئے۔ وہاں پہلے بی اے کیا۔ پھر قانون کی تعلیم حاصل کی۔ غالبًا ایل ایل بی پاس کیا تھا۔

بعد ازاں اعظم گڑھ واپس آ کر وکالت کا مشغلہ اختیار کیا۔ کچھ دنوں بعد منصف کے عہدہ پر منتخب ہو گئے۔ پھر ترقی پا کر کان پور میں سب جج کے عہدہ پر مامور تھے کہ بیمار ہوئے۔ دو برس تک مسلسل علاج ومعالجہ جاری رہا مگر جاں بر نہ ہو سکے۔ علاج کے لئے دہلی میں مقیم تھے۔ ۱۲/اپریل ۱۹۳۳ء کو دہلی ہی میں انتقال کیا اور اسی کی خاک کا پیوند بھی ہوئے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ مسٹر جنید نعمانی دہلی کے کس قبرستان میں حوالہ خاک ہوئے۔

ان کے ایک ہی بیٹے تھے۔ انہوں نے ہجرت کر کے مملکت خداداد کی راہ لی۔ محمد اسحاق وکیل کی وفات پر علامہ شبلی نے اردو میں جو پر درد مرثیہ کہا تھا، اس میں یہ دعا مانگی ہے کہ

اے خدا شبلی دل خستہ بایں موئے سپید
لے کے آیا ہے ترے درگہہ عالی میں امید
مرنے والے کو نجات ابدی کی ہو نوید
خوش وخرم رہے چھوٹا یہ مرا بھائی جنید
(کلیات شبلی اردو ص:۔۲۰۴)

جوہانس کیپلر (Johannes Kepler)

[۱۵۷۱-۱۶۳۰ء]

جوہانس کیپلر [۱۵۷۱-۱۶۳۰ء] مشہور جرمن منجم، ماہر فلکیات وطبیعات اور ریاضی داں تھا، سترہویں صدی میں جن سائنس دانوں کی بدولت اس میدان میں انقلاب آیا، اس میں جوہانس کیپلر کا نام بھی شامل ہے۔ اس نے اپنی فلکی کوششوں کو فلکی طبیعات کا نام دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے فطری یا فطرت پسند سائنس داں تسلیم کیا جاتا ہے۔

جوہانس کیپلر نے سائنسی تحقیقات میں مذہب کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ اس نے نہ صرف مذہب کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے بلکہ اس کے دلائل وبراہین کو بھی یقینی خیال کیا ہے۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ خدا نے یہ خوب صورت دنیا یوں ہی نہیں بنائی ہے۔ اس کے متعدد اسباب ہیں۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ ایک مقام پر علامہ شبلی نے جون کپلر کا بھی نام لیا ہے۔ گویا علامہ شبلی جدید علوم وافکار کی طرف جب راغب ہوئے تو کم از کم جدید علوم وفنون اور تحقیقات وایجادات کی بنیادی معلومات سے آگاہی حاصل کر لی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی شاعری میں جا بجا ان حکماء وفلاسفہ اور مفکرین کا نام لے لیتے ہیں، جن کی شخصیت اور کارناموں سے اس عہد کے علماء عموماً ناواقف تھے۔ اور علامہ شبلی کی شاعری کا یہی وہ وصف ہے جو ان کو متعدد معاصرین سے اعلانیہ انہیں ممتاز کرتا ہے۔ جوہانس کیپلر کا ذکر مثنوی صبح امید میں آیا ہے جو سر سید کے زیر اثر لکھی گئی تھی۔

کپلر کی وہ نکتہ آفرینی
نیوٹن کے مسائل یقینی

اس فیض سے ہم بھی بہرہ رہوں
ہم بھی اسی کان کے گہر ہوں

جوہر کمال کے دکھائیں
اس بزم میں ہم بھی بار پائیں

(کلیات شبلی اردو ص: ۴۵)

جہاں گیر

[۱۵۶۹-۱۶۲۷ء]

جلال الدین محمد اکبر کا جانشین نورالدین محمد جہاں گیر [۱۵۶۹-۱۶۲۷ء] ہندوستان کا ایک بڑا نامور بادشاہ تھا۔ اس نے ہندوستان پر ۲۲ر برس تک حکمرانی کی۔ رعایا پروی کے اس کے بہت سے واقعات ہیں۔ بڑا علم دوست، عدل پرور اور انصاف پسند تھا۔ حسن وجمال کا دلداہ تھا۔ شعر وادب کا بھی بڑا عاشق اور اہل علم وکمال کا بڑا قدر رداں تھا۔ اس کی علمی قدر دانی کے بھی متنوع

واقعات مشہور ہیں۔جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں۔اس کی تفصیل سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم[۱۹۱۱-۱۹۸۷ء] کی معرکہ آرا کتاب ''بزم تیموریہ'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

علامہ شبلی نے ''عدل جہانگیری'' کے عنوان سے جو زبردست نظم لکھی ہے اور جو اپنے زمانہ میں بے حد مقبول ہوئی بلکہ آج بھی اہل علم وادب میں مقبول ومتداول ہے۔اور یہ واقعہ ہے کہ یہ نظم ایک تاثر تو پیدا ہی کر دیتی ہے۔اس نظم میں شہنشاہ جہاں گیر کی ملکہ نور جہاں سے بے پناہ محبت کے ساتھ اصلاً اس کی عدل گستری،انصاف پروری اور رعایا نوازی کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔یوں تو یہ پوری نظم بہت خوب صورت ہے،لیکن خاص طور سے اس کے مقطع کا بند بیحد دلچسپ ہے۔جس میں پہلا مصرعہ اردو میں ہے تو دوسرا مصرعہ فارسی کا ہے۔ملکہ نور جہاں کے خوں بہا ادا کرنے کے بعد جب وہ سزائے موت سے بچ گئی۔اس کے بعد جہاں گیر دربار سے اٹھ کر حرم میں آیا۔اس وقت کا منظر اور جہاں گیر کی کیفیت ملاحظہ ہو:

ہو چکا جب کہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں
کہ نہیں اس میں کوئی شائبہ حیلہ و فن
اٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم
تھی جہاں نور جہاں معتکف بیت حزن
دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا
تو اگر کشتہ شدی آہ چہ می کردم من؟

علامہ شبلی کی جس سیاسی نقطہ نظر کے حامل اور علم بردار تھے،اس کا ذکر ان کی متعدد نظموں میں آیا ہے۔''ہمارا طرز حکومت'' ان کی اسی طرح کی ایک معرکہ آرا نظم ہے۔اس میں بھی بادشاہ جہاں گیر وا کبر کا ذکر آیا ہے۔فرمانروائے جے پور کی صاحبزادی سے جب اکبر نے جہاں گیر کی شادی کی تو شہنشاہ اور ابن شہنشاہ نے دلہن کا کس طرح استقبال کیا،اس منظر کشی ملاحظہ ہو:

کبھی ہم نے بھی کی تھی حکمرانی ان ممالک پر
مگر وہ حکمرانی جس کا سکہ جان ودل پر تھا

قرابت راجگان ہند سے اکبر نے جب چاہی
تو خود فرماندۂ جے پور نے نسبت کی خواہش کی
دلہن کو گھر سے منزل گاہ تک اس شان سے لائے
کہ کوسوں تک زمیں پر فرش دیبائے مشجر تھا
دلہن کی پالکی خود اپنے کندھوں پر جولائے تھے
وہ شاہنشاہ اکبر اور جہاں گیر ابن اکبر تھا
یہی ہیں وہ شمیم انگیزیاں عطر محبت کی
کہ جن سے بوستان ہند برسوں تک معطر تھا

پھر وہ اپنے عہد کے رجائیت پسندوں اور بات بات میں اورنگ زیب عالم گیر پر نقد کرنے والوں سے مخاطب ہوتے ہیں:

تمھیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالم گیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

(کلیات شبلی اردو ص:۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵)

راجہ جے پال

[۹۶۴-۱۰۰۱ء]

راجہ جے پال [۹۶۴-۱۰۰۱ء] ہندوستان کے ہندو بادشاہوں میں ایک نامور بادشاہ گذرا ہے۔ اس کی حکومت کا دائرہ لغمان سے کشمیر اور سرہند سے ملتان تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے پڑوس میں ابومنصور سبکتگین [م: ۵؍اگست ۹۹۷ء] کی سلطنت غزنویہ قائم تھی۔ اسے خیال ہوا کہ اگر غزنویوں کی حکومت مستحکم ہوئی تو وہ اس کی حکمرانی کے لئے مضر ثابت ہوگی۔ اس لئے اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ غزنی پر حملہ کیا۔ بڑی بے جگری سے لڑا، لیکن اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ خراج پر صلح کرنی پڑی۔ کچھ دنوں بعد خراج نہ ادا کرنے کی وجہ سے بانی سلطنت

غزنویہ ابومنصور سبکتگین نے اس پر چڑھائی کی اور اس کی حکومت پر اپنا پرچم لہرا دیا۔ علامہ شبلی نے اپنے مشہور قومی مسدس ''تماشائے عبرت'' میں مسلمانوں کی جہاں فتح مندیوں اور کامرانیوں کا تذکرہ کیا ہے، وہیں راجہ جے پال کے حوالہ سے قوم سے ایک سوال کر کے اسے اپنے ماضی اور عظمت رفتہ یاد کی دلائی ہے۔

کون تھا جس نے کیا فارس و یونان تاراج
کس کی آمد میں فدا کر دیا جے پال نے راج
(کلیات شبلی اردو ص ۶۵)

حافظ شیرازی

[۱۳۱۵-۱۳۹۰ء]

محمد شمس الدین حافظ شیرازی [۱۳۱۵-۱۳۹۰ء] شیراز کے رہنے والے تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ اسی نسبت سے تخلص بھی حافظ اختیار کیا۔ قرآن مجید سے خصوصی شغف تھا۔ اسی شغف کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے علامہ زمخشری کی تفسیر ''کشاف'' پر عربی میں حواشی لکھے۔ اس کی وجہ سے بعض اہل قلم نے انہیں معتزلی لکھا ہے۔ عرصہ دراز تک شیراز میں فقہ و تفسیر کا درس دیتے رہے۔

حافظ شیرازی اپنی آمدنی کا ایک حصہ تعلیم پر صرف کرتے۔ دوسرا حصہ والدہ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ اور تیسرا حصہ راہ خدا میں خرچ کرتے۔ اس سے حافظ کی نیکی، شرافت، وضع داری اور اصولی زندگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حافظ نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ غزلوں کے ساتھ قصائد، رباعیات اور قطعات بھی کہے ہیں۔ لیکن وہ اصلاً غزل کے شاعر تھے۔ شاعر ہی نہیں انہیں فارسی غزل کے باوا آدم کا درجہ حاصل ہے۔ تصوف وسلوک کے بھی ذوق آشنا تھے۔ اس کے علاوہ منطق اور فلسفہ کی بھی تعلیم حاصل کی۔ شعر و شاعری کا شوق ایام طفولیت سے تھا۔ مشہور بزرگ شاعر خواجو کرمانی [۱۲۸۰-۱۳۵۲ء] سے شعر و شاعری کے رموز و نکات سیکھے۔ باریکیوں اور نزاکتوں پر دسترس

حاصل کی۔ سچ ہے کہ انہوں نے شاعری میں بڑا نام پیدا کیا۔اور یہی ان کا طرہ امتیاز بھی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی حافظ شیرازی کی شاعری سے بہت متاثر تھے۔''شعرالعجم ''میں ان کا بڑا والہانہ ذکر کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے حافظ کی مدلل مداحی کی ہے۔''شعرالعجم'' کے اس حصہ کو ''حیات حافظ'' کے نام سے بعض ناشرین نے علاحدہ کتابچے کی صورت میں شائع کیا۔ یہی نہیں علامہ شبلی کے وہ اس قدر پسندیدہ شاعر تھے کہ ان کے رنگ میں شاعری کی بھی کوشش کی۔ ڈاکٹر رئیس نعمانی (علی گڑھ) جو ہمارے عہد میں فارسی شعروادب کا ایک معتبر نام ہے۔انہوں نے اس پہلو کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ''مکمل غزلوں کو پڑھ کر ہر وہ شخص جو فارسی زبان کا ذوق رکھتا ہو اور شاعری کا مزاج آشنا ہو یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ شبلی کا مرتبہ پیروی حافظ میں غالب سے بھی اونچا اور کم از کم نظیری کے برابر ہے۔اور یہ شبلی کا انکسار ہے کہ وہ نظیری کی بجائے علی حزیں سے داد سخن کے طالب ہیں۔''

(سہ ماہی فکر ونظر،علی گڑھ،شبلی نمبر جون ۱۹۹۶ء ص ۱۷۹)

علامہ شبلی کی اردو شاعری میں حافظ کا ذکر ایک مقام پر آیا ہے۔ان کا ایک شعر بھی اپنی نظم میں شامل کیا ہے۔ اردو شاعری ذکر حافظ سے معمور ہے،ہی فارسی شاعری میں بھی ان کا نام لب شبلی پر آیا ہے۔ان کا ایک فارسی شعر یہ بھی ہے:

گر خداوندی ہوس داری در اقلیم سخن
بندگی حافظ شیراز می بایست کرد

''کلیات شبلی'' فارسی کے دیباچہ میں مولانا ضیاءالدین اصلاحیؒ [۱۹۳۷-۲۰۰۸ء] نے ان کی فارسی شاعری پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور لکھا ہے کہ

> ''رندی وسرمستی اور زہدورع پر طعن وطنز شاعری کے لوازم میں ہیں۔خواجہ حافظ کا کلام تو اس سے بھرا ہوا ہے۔علامہ شبلی کی شاعری میں بھی اسی بادہ سرجوش کا اثر ہے اور انہوں نے انتہائی جوش وخروش سے یہ مضامین باندھے ہیں۔''

(دیباچہ کلیات شبلی فارسی ص ۹)

بعض نقادوں نے علامہ شبلی کی فارسی شاعری کو حافظ کی شاعری کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ پروفیسر عبدالحق نے اپنے مضمون میں انہیں حافظ شیراز ہند بتایا ہے۔(شبلی اور معاصرین ص ۱۱۹)

(کلیات شبلی اردو ص: ۱۲۷، کلیات شبلی فارسی ص: ۷۹)

مولانا الطاف حسین حالی

[۱۸۳۷-۱۹۱۴ء]

مولانا الطاف حسین حالی مرزا غالب [۱۷۹۷-۱۸۶۹ء] کے شاگرد تھے۔ان کا شمار اردو کے عناصر خمسہ میں ہوتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ ان کے ذکر کے بغیر اردو شعروادب کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے اردو تنقید کو نئے آفاق سے روشناس کرایا اور آبرو بخشی۔ یہی نہیں انہوں نے شعروادب کے مختلف میدانوں میں وہ کارنامے انجام دیئے جوان سے پہلے ہماری ادبی روایت کا حصہ نہ تھے۔ ان کے ''مقدمہ شعروشاعری'' نے اردو میں انقلاب برپا کیا اور آج بھی وہ جزوی اختلاف کے باوجود اردو تنقید کے دستور اساسی کا حکم رکھتا ہے۔

مولانا حالی ادیب، شاعر، بلند پایہ سوانح نگار اور اردو تنقید کے بانیوں میں تھے۔ مدوجزر اسلام [مسدس حالی مطبوعہ: ۱۸۷۹ء] حیات سعدی [مطبوعہ: ۱۸۸٦ء] دیوان حالی [مطبوعہ: ۱۸۹۳ء] مقدمہ شعروشاعری [مطبوعہ: ۱۸۹۳ء] یادگار غالب [مطبوعہ: ۱۸۹۷ء] حیات جاوید [مطبوعہ: ۱۹۰۱ء] ان کی اہم علمی ادبی، تنقیدی، تاریخی اور سوانحی یادگاریں ہیں۔ مولانا حالی نیکی اور شرافت و مروت میں انسان نہیں فرشتہ تھے۔ عمر میں علامہ شبلی سے بیس برس بڑے ہونے کے باوجود ان کی عزت، احترام اور اعتراف فضل وکمال میں ذرہ برابر بھی کمی نہ کرتے۔ ان کا یہ شعر تو ضرب المثل بن ہو گیا ہے:

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شبلی سا وحید عصر و یکتائے زمن دیکھیں

علامہ شبلی نے بھی مولانا حالی کی قدر و منزلت اور عزت و عظمت کا ہمیشہ خیال رکھا۔ ان کے فضل و کمال، تصنیفات و تالیفات، سوانح نگاری اور علمی اجتہادات کا برملا اعتراف کیا ہے۔ البتہ سرسید احمد خاں [۱۸۱۷-۱۸۹۸ء] کی سوانح عمری ''حیات جاوید'' [مطبوعہ: ۱۹۰۱ء] کے بارے میں ان کے خیالات ان کی دیگر کاوشوں کے برعکس تھے۔ اسے انہوں نے کتاب المناقب اور مدلل مداحی قرار دیا ہے، لیکن اس میں بھی بقول پروفیسر آل احمد سرور مصور پسند تھا، اس کی بنائی ہوئی ایک تصویر پسند نہ تھی۔

مولانا الطاف حسین حالی نے جہاں علامہ شبلی کی فارسی شاعری کی زبردست داد دی ہے۔ وہیں علامہ شبلی نے ایک ترکیب بند میں جو مدرستہ العلوم علی گڑھ کے حالات پر مبنی ہے۔ اس کے ایک شعر میں مولانا حالی کا اس طرح ذکر کیا ہے:

حضرت حالی و شمس العلما را بنگر
واں دگر دیدہ و رانی کہ بوندش انصار

بعض اور ترکیب بند جو علی گڑھ کالج اور تحریک علی گڑھ سے متعلق کہے گئے ہیں، ان میں بھی مولانا الطاف حسین حالی [۱۸۳۷-۱۹۱۴ء] کا ذکر خیر آیا ہے۔

(کلیات شبلی فارسی ص: ۴، ۱۳)

شیخ حبیب اللہ

[م: ۱۲؍نومبر ۱۹۰۰ء]

علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ [م: ۱۲؍نومبر ۱۹۰۰ء] اعظم گڑھ کے رئیس، نامور وکیل اور ایک بڑے زمیندار تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد رواج زمانہ کے مطابق فارسی زبان و ادب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ علامہ شبلی نے ''شعر العجم'' میں ان کے ذوق شعر و ادب کا ایک واقعہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ

''میری طالب علمی کا زمانہ تھا کہ ایک دن ایک صحبت میں کسی نے کلیم کا یہ

شعر پڑھا

سر بہ بستاں چوں دہد جلوہ یغمائی را

اول از سرو کند جامہ رعنائی را

والد مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے۔ میں نے کہا کپڑا اتارنے کو جامہ کشیدن بھی کہتے ہیں، اس لئے شاعر اگر کند کے بجائے کشد کہتا تو زیادہ فصیح ہوتا۔ جامہ کندن گو صحیح ہے لیکن فصیح نہیں۔ سب چپ ہو گئے۔ والد مرحوم نے ذرا سوچ کر کہا کہ ''نہیں یہی لفظ شعر کی جان ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق باغ میں جب غارت گری کی شان دکھاتا ہے تو پہلے سرو کی رعنائی کا لباس اتار لیتا ہے۔ لباس اتارنے کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ مثلاً کوئی شخص گرمی وغیرہ کی وجہ سے کپڑا اتار کر رکھ دے یا اس کا نوکر اتارے۔ دوسرے یہ کہ سزا کے طور پر کسی کے کپڑے اتروالئے جائیں یا نچوالئے جائیں۔ فارسی میں اس کے لئے دو مختلف لفظ ہیں۔ جامہ کشیدن اور جامہ کندن۔ چونکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ معشوق ذلت کے طور پر سرو کا کپڑا اتار لیتا ہے اس لئے جامہ کندن کا لفظ جامہ کشیدن سے زیادہ موزوں ہے۔ تمام حاضرین نے اس توجیہ کی بے ساختہ داد دی۔''

(شعر العجم ج ۴ ص ۱۴۔ طبع ہشتم ۱۹۸۶ء)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ حبیب اللہ فارسی زبان و ادب پر کس درجہ گہری نگاہ رکھتے تھے اور ان کا مذاق شعر و ادب کس درجہ پختہ تھا۔ بعد ازاں انہوں نے الہ آباد ہائی کورٹ سے وکالت کا امتحان پاس کر کے اعظم گڑھ میں وکالت کرنے لگے۔ ان کی سوجھ بوجھ، فہم و فراست اور سلیقہ مندی کی وجہ سے بہت جلد ان کا شمار اعظم گڑھ کے نامور وکلا اور قانون کے بڑے واقف کاروں میں ہونے لگا۔ وکالت کے ساتھ انہوں نے زمینداری اور نیل کا کاروبار بھی جاری رکھا۔ دیوارہ کی بعض زمینداریاں بھی خریدیں۔ رفاہی کاموں میں بھی وہ بڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اسی شعور و وجاہت کی بنا پر انہیں شہر اعظم گڑھ میونسپلٹی کا آنریری سکریٹری نامزد کیا گیا،

جس پر وہ برسوں فائز رہے۔

شیخ حبیب اللہ پہلے قدیم دینی تعلیم کے بڑے حامی تھے۔ایک بزرگ الٰہی شاہ سے بیعت بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی اولادوں کو دینی تعلیم دلائی۔ بڑے بیٹے محمد شبلی کو عالم دین اور منجھلے بیٹے مہدی حسن کو حافظ قرآن بنایا۔اس وقت شہر اعظم گڑھ میں دینی تعلیم کا کوئی نظم نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے شہر اعظم گڑھ میں ایک مدرسہ عربیہ کی بنیاد ڈالی۔جس میں مولوی فیض اللہ مئوی اور مولانا محمد فاروق چریا کوٹی[م:۲۷/اکتوبر ۱۹۰۹ء] وغیرہ کو استاذ مقرر کیا۔تعلیم و تعلم کا سلسلہ کئی برس جاری رہا۔علامہ شبلی اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے بڑے بھائی حکیم عبدالوہاب انصاری نابینا[۱۲۷۰-۱۳۶۰ء] وغیرہ اسی مدرسہ عربیہ اعظم گڑھ کے فیض یافتہ تھے۔ یہ تقریباً سن ۷۴-۱۸۷۳ء کی بات ہے۔اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ حبیب اللہ اپنے عہد کے کس قدر ہوش منداور زمانہ شناس شخص رہے ہوں گے۔

بعدازاں وہ سرسید احمد خاں کے زیراثر آئے جو ان دنوں ضلع اعظم گڑھ کے سرحدی ضلع غازیپور میں منصف تھے۔ دونوں میں تعلقات قائم ہوئے تو پھر شیخ حبیب اللہ انہی کے ہو کر رہ گئے۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے قیام سے پہلے اعظم گڑھ میں جن لوگوں نے اس کے قیام کے لئے مالی تعاون کیا ان میں ایک نام شیخ حبیب اللہ کا بھی ہے۔ یہ سلسلہ کالج کے قیام کے بعد بلکہ شیخ صاحب جب تک حیات رہے، قائم رہا۔اسی تعلق اور ہم خیالی کی بنا پر سرسید نے جب انڈین پیٹریاٹک سوسائٹی قائم کی اور مختلف شہروں میں اس کے کرسپانڈنگ رکن بنائے تو اعظم گڑھ میں شیخ حبیب اللہ صاحب کو کرسپانڈنگ رکن نامزد کیا۔

نیشنل اسکول اعظم گڑھ جس کی بنیاد علامہ شبلی نعمانی نے ڈالی تھی،اس کی انتظامیہ کے پہلے صدران کے والد شیخ حبیب اللہ وکیل ہی تھے۔ بلکہ جب تک وہ حیات رہے مسند صدارت پر وہی متمکن رہے۔واقعہ یہ ہے کہ اعظم گڑھ کو جن لوگوں نے علمی و تعلیمی اعتبار سے ترقی دی،اور وقار بخشا،ان میں ایک بہت نمایاں نام شیخ حبیب اللہ کا بھی ہے۔علامہ شبلی کے تو وہ سب کچھ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شبلیاتی ادب میں ان کا کثرت سے ذکر آیا ہے۔خاص طور سے ''مکاتیب شبلی'' کی

دونوں جلدیں اور راقم کی مرتب کردہ ''مکتوبات شبلی'' ان کے ذکرواذکار سے بھری پڑی ہیں۔ اردو ''کلیات شبلی'' میں مرثیہ محمد اسحاق وکیل میں کئی مقامات پران کا نام آیا ہے اور ظاہر ہے اس میں ان کا ذکر تو آنا ہی تھا۔ فارسی کلیات شبلی میں شیخ حبیب اللہ کی وفات پر کہا گیا ان کا پر درد مرثیہ شامل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ شفیق باپ کی جدائی پر بیٹے نے جو آنسو بہائے ہیں اور جس رنج وغم کا اظہار کیا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ صرف علامہ شبلی ہی کا نہیں بلکہ ہمارا بھی درد ہے۔ اس کا آغاز ان اشعار سے ہوا ہے:

ہاں اے پدر نہ گویمت ایں ورز وآں مکن
زنہار عزم رہروی آں جہاں مکن

دعوائے صبر گہ بہ غلط ہم نہ کردہ ام
ہاں اے پدر! بہ صبر مرا ، امتحاں مکن

آٹھ آٹھ شعر کے چار بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ رنج وغم اورحزن وملال کا ایک دلگداز نوحہ ہے اور پڑھنے والے کو بے قرار کردیتا ہے۔

(کلیات شبلی اردو ص: ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲)

(کلیات شبلی فارسی ص: ۴۲)

حجاج بن یوسف

[۶۶۱ - ۷۱۴ء]

حجاج بن یوسفؒ [۶۶۱ - ۷۱۴ء] جنہوں نے قرآن مجید پر اعراب اور نقطے لگوائے ہیں، ان کے اور بھی عظیم الشان اور قابل ذکر کارنامے ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ محمد بن قاسم کو سندھ کی فتح اور دشمنوں کی سرکوبی کے لئے انہی نے بھیجا تھا۔ مگر مورخین نے ان کی سفا کی اور بے رحمی کے بھی واقعات بھی لکھے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے جنگ اور پھر ان کا بے رحمی سے

قتل (شہادت) بھی ان کے نامہ اعمال میں کسی سیاہ داغ سے کم نہیں۔ علامہ شبلی نے اس واقعہ کو ایک نظم ''خواتین عرب کا ثبات و استقلال'' میں منظوم کیا ہے۔ ظاہر ہے اس کا نام بھی اس سیاہ باب کا ناگزیر حصہ ہے۔ علامہ شبلی فرماتے ہیں:

ابن مروان نے حجاج کو بھیجا پے جنگ
جس کی تقدیر میں مرغان حرم کا تھا شکار
لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا
اس کو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابل دار

(کلیات شبلی اردو ص ۱۱۵-۱۱۷)

شیخ علی حزیں

[۱۶۹۱-۱۷۶۷ء]

شیخ محمد علی حزیں [۱۶۹۱-۱۷۶۷ء] اصفہان ایران میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ایک عالم شاہ محمد شیرازی اور اپنے والد ابوطالب سے حاصل کی۔ مروجہ علوم کی تحصیل کے بعد فارسی شاعر شیخ خلیل اللہ طالقانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اخلاق اور شعروادب سیکھا۔ اسی عمر میں شعر کہنے لگے تو استاذ نے جو خود بھی شاعر اور سخن فہم تھے نہ صرف شاعری کے لئے حوصلہ بڑھایا بلکہ ان کا تخلص ''حزیں'' رکھ کر گویا شاعری کرنے کی اجازت بھی دیدی۔ اسی عمر میں جب والد کو پہلی غزل سنائی تو انہوں نے کہا کہ جو بات محتشم کاشی [۱۵۰۰-۱۵۸۸ء] کے شعر میں نہ تھی وہ علی حزیں کے شعر میں پیدا ہوگئی ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے تحفہ میں اپنا قلمدان عطا کیا۔

اس کے بعد علی حزیں شیراز اور بعض دوسرے شہروں میں تحصیل علم کے لئے گئے اور مختلف ارباب کمال سے علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ بعد ازاں مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے دہلی پہنچے۔ دہلی میں ۱۱/ برس قیام رہا۔ والہ داغستانی [۱۷۱۲-۱۷۵۶] ان کے خاص دوست تھے۔ کراچی، لاہور، سورت اور بعض دوسرے شہروں کے بعد شہر بنارس آئے اور پھر یہیں

کے ہوکر رہ گئے اور اسی کی خاک کا پیوند بھی ہوئے۔ بنارس میں ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔

فارسی شعر و ادب میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔اس کا اعتراف متعدد نقادوں نے کیا ہے اور کمال تو یہ ہے کہ ان کے متعدد معاصرین بھی ان کی شاعرانہ عظمت اور بلندی کے معترف ہیں۔علامہ شبلی فارسی شعر و ادب کے ایک بڑے ادا شناس تھے۔اس کا سب سے بڑا ثبوت ان کی لاجواب تصنیف شعر العجم کے اوراق ہیں۔وہ بھی شیخ علی حزیں کی شاعری کے بے حد مداح ہیں۔ فارسی شاعری کے آغاز ہی میں انہوں نے شیخ علی حزیں کے کلام کو سامنے رکھ کر غزلیں کہیں، جسے ان کے دور کے ارباب کمال نے حزیں سے بہتر قرار دیا۔بہتر قرار دینے والوں میں مرزا غالب [۱۷۹۷-۱۸۶۹ء] کے بھتیجے نواب ضیاءالدین خاں نیر دہلوی [۱۸۲۱-۱۸۸۵ء] کا نام بھی شامل ہے۔ان کو یہ بھی احساس تھا کہ ان کی سخن سنجی کی صحیح داد اہل ایران ہی دے سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔

شبلیا کیست ؟ کزو داد سخن می خواہی
گر نظیری نہ بود شیخ حزیں می باید

شیخ علی حزیں کے حوالہ سے ایک اور شاعرانہ تعلیٰ ان کے اردو کلام میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

یہ نظم آئیں، یہ طرز بندش، سخنوری ہے، فسوں گری ہے
کہ ریختہ میں بھی تیرے شبلی، مزہ ہے طرز علی حزیں کا
(کلیات شبلی فارسی ص: ۸۴، ۸۸، نوادرات شبلی ص۲۱۲)

حافظ حسن علی

[...]

مولانا سید سلیمان ندوی [۱۸۸۴-۱۹۵۳ء] کی صراحت کے مطابق یہ علامہ شبلی کے بچپن کے بے تکلف احباب میں تھے۔مولوی محمد اسحاق وکیل اور مولوی محمد سمیع محافظ دفتر جونپور کے نام

علی گڑھ سے جوخطوط علامہ شبلی نے لکھے ہیں، ان میں ان کا نام بکثرت آیا ہے اوراس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے انتہائی قریبی احباب میں تھے۔علامہ شبلی کی مثنوی ''صبح امید'' شائع ہوئی تو جن لوگوں کواس کے خریدنے کے لئے علامہ نے تاکیدی خط لکھا تھا، اس میں بھی حافظ حسن علی کا نام شامل ہے۔اسی طرح سرسید نے علی گڑھ کے مشہور فوٹو گرافر سے تصویر بنوانے پر علامہ شبلی کو اکسایا اور خود دو تصویریں خریدنا بھی منظور کیا۔ بقیہ تصویروں کے خریدنے کے لئے علامہ شبلی نعمانی نے اعظم گڑھ اپنے احباب کو خط لکھا۔اس فہرست میں بھی حافظ حسن علی کا نام موجود ہے۔ چوکی کی ضرورت ہوئی اور مولوی محمد سمیع کو خط لکھا تو بتایا کہ حافظ حسن علی نے ایک چوکی خریدی تھی، جو اب چھاؤنی پر ہے۔ دوسری چوکی کا نظم کرو۔لیکن ان باتوں کے سوا کوئی سوانحی تفصیل دستیاب نہیں کہ وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔مشغلہ کیا تھا۔تعلیم کس قدر تھی اور کہاں وفات پائی وغیرہ۔

حافظ حسن علی نے علامہ شبلی کوایک نہایت عمدہ اور خوش خط مکتوب لکھا۔جس پر علامہ شبلی نے ان کومنظوم دادی، جو'' کلیات شبلی'' میں شامل نہیں ہے۔اسے معروف نقاد ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنی کتاب ''شبلی کی علمی وادبی خدمات'' میں ان کی بیاض سے نقل کیا ہے۔

اس مردم چشم مردمی نے
یعنی حافظ علی حسن علی نے

وہ نامہ لاجواب لکھا
عالم میں نہیں نظیر جس کی

تلاش وجستجو کے باوجود اس بیاض تک راقم کی رسائی نہ ہوسکی۔علامہ شبلی کی نادر تحریروں کے مجموعہ ''نوادرات شبلی'' میں اسے شامل کر دیا ہے۔

(نوادرات شبلی ص: ۲۲۰)

حضرت حمزہؓ

[۵۶۸-۶۲۵ء]

سید الشہداء حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب [۵۷۰-۶۲۵ء] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور جلیل القدر صحابی رسولؐ تھے۔ جنگ احد میں شہادت پائی۔ انہیں درندہ وحشی بن حرب نے شہید کیا۔ ہندا ابوسفیانؓ کی بیوی نے وحشی کو ان کے قتل پر مامور کیا تھا۔ اور جب کفار کی صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے تو ہند سخت جان نے ان کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا اور ان کی لاش کا مثلہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو بے حد رنجیدہ ہوئے۔ اور رنجیدہ کیوں نہ ہوتے۔ حضرت حمزہؓ صرف آپؐ کے چچا ہی نہ تھے بلکہ جاں نثاران اسلام کی صف اول میں شامل تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ اس وقت دیا جب کسی چچا نے نہیں دیا تھا۔ بلکہ اور چچا تو آپ کی جان کے پیاسے تھے اور حضرت حمزہؓ نے تو آپ پر اپنی جان ہی نچھاور کر دی، ہائے اسلام اور مسلمانوں نے کیسے کیسے دن دیکھے۔ اور اسلاف نے کیسی کیسی اذیتیں اور تکلیفیں اٹھائیں اور صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔

علامہ شبلی نے اپنی ایک نظم ''مساوات اسلام'' میں حضرت حمزہؓ کا ذکر کیا ہے۔ عتبہ بن ربیعہ جب میدان میں آتا ہے اور اس کے مقابلہ کے لئے حضرت حمزہؓ میدان میں آتے ہیں اور پھر جنگ ہوتی ہے۔ علامہ شبلی نے اس کی بڑی موثر منظر کشی کی ہے۔

(کلیات شبلی اردو ص:۹۱)

خاقان

[۰۰۰]

یہ کسی ایک شخص کا نام نہیں بلکہ قدیم اور بزرگ یونانی اور چینی بادشاہوں کا لقب ہے۔ بعد میں ہر بادشاہ کو خاقان کہا جانے لگا۔ فارسی شاعری میں خاقان کا لفظ عظمت اور بزرگی کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ ایک روایت کے مطابق لفظ ''خان'' اسی کا مخفف ہے۔ علامہ شبلی کے

کلام میں بھی یہ لفظ کئی جگہ آیا ہے۔ البتہ خاقانی مشہور فارسی شاعر افضل الدین کا لقب ہے۔ اس کا اصل وطن بخارا تھا۔ اس نے حسان بن ثابت کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں قصیدے کہے ہیں، اس لئے اسے ''حسان عجم'' بھی کہتے ہیں۔

علامہ شبلی نے متعدد اشعار میں خاقان کا ذکر کیا ہے:

خاک او معتکف دیلم وسلجوق بود
درگہش سجدہ گہ قیصر و خاقاں باشد
(کلیات شبلی فارسی ص: ۹، ۵۱، ۵۸)

خسرو پرویز

[م: ۲۸ر فروری ۶۲۸ء]

خسرو پرویز [م: ۲۸ر فروری ۶۲۸ء]، نوشیروان عادل کا پوتا اور ایران کا مشہور ساسانی بادشاہ تھا۔ اصل نام پرویز تھا۔ اس نے خسرو کے نام سے عالم گیر شہرت پائی۔ شیریں اسی کی ملکہ تھی، جس پر بیچارہ فرہاد مر مٹا اور اپنے ہی تیشہ سے زندگی کا خاتمہ کرنا پڑا۔

خسرو پرویز اپنے باپ ہرمز چہارم کے قتل کے بعد تخت نشیں ہوا۔ بہرام چوبیں نے اس سے بغاوت کی، جس کے فرو کرنے میں خسرو کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر پھر خسرو نے قیصر روم کی مدد سے فتح حاصل کر لی۔ اس کے بعد خسرو عربوں سے نبرد آزما ہوا۔ اس میں بھی اسے شکست سے دو چار ہونا پڑا۔ اور وہ فرار ہونا ہی چاہتا تھا کہ ایرانیوں نے گرفتار کر لیا اور اس کو اور اس کے بیٹوں کو قتل کرا دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق خسرو کو اس کے بیٹوں نے خاک وخون میں ملایا۔ یہ اسلام کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق نامہ مبارک (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی بدبخت نے چاک کیا تھا۔ فارسی شعرا اس کی حکمرانی کا ذکر کرتے رہے ہیں۔ علامہ شبلی کے کلام میں بھی اس کا نام آ گیا ہے۔

نثار بمبئیؔ کن ہر متاع کہنہ و نو را

طراز مسند جمشید وفرتاج خسرو را

(کلیاتِ شبلی فارسی،ص:۵۷)

حضرتِ خضر

[•••]

ایک بزرگ جن کے بارے میں متعدد آراء وخیالات پائے جاتے ہیں۔عام خیال یہ ہے کہ انہوں نے آب حیات پی ہے اور یہ کہ انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔

قرآن مجید میں ان کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک ملاقات کے ضمن میں آیا ہے۔ انہوں نے یہ ملاقات اللہ تعالی کے حکم پر کی تھی۔جس میں بعض حیرت ناک مشاہدات ہوئے۔ مقام ملاقات اور طریقہ ملاقات کا علم بھی اللہ تعالی کی طرف سے انہیں ودیعت کیا گیا تھا۔حضرت موسیٰ کو بتایا گیا کہ زادِراہ کے طور پر مچھلی ساتھ رکھیں اور دریا کے کنارے سفر کریں۔ جہاں مچھلی زندہ ہوکر دریا میں چلی جائے وہیں اللہ کا وہ نیک بندہ ملے گا۔اس کی تفصیل سورہ کہف (آیت ۶۲-۸۲) میں موجود ہے۔چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔اور ان سے ملاقات کی،لیکن یہ نبی نہیں تھے۔

''کلیاتِ شبلی'' میں حضرت خصر کا دو مقامات پر ذکر آیا ہے۔ایک مثنوی ''صبح امید'' کی ابتدا میں جہاں یہ ذکر ہے کہ اب ہماری زبوں حالی اور پستی اس حالت کو پہنچ گئی ہے کہ

اب خضر کو گمرہی کا ڈر ہے
عیسیٰ کو تلاش چارہ گر ہے

اور دوسری جگہ درمیان میں ان ذکر آیا ہے۔ جہاں علامہ شبلی نے سر سید احمد خاں کی قوت ارادی بیان کی ہے۔فرماتے ہیں:

تا دیر وہ قوم کا فدائی
وہ خضر طریق رہنمائی

اٹھتے ہوئے جوش دل سے پیہم
عبرت کا دکھا رہا تھا عالم
(کلیات شبلی اردو ص: ۳۸-۴۰)

خلیفہ محمد حسن

[***]

۱۸۸۶ء میں وزیرالدولہ خلیفہ سید محمد حسن وزیر ریاست پٹیالہ، پنجاب، ایم. اے. او، کالج علی گڑھ معائنہ کے لئے تشریف لائے۔ علامہ شبلی نے اس موقع پر سرسید کے صاحبزادے جسٹس سید محمود [۱۸۵۰-۱۹۰۳ء] کی فرمائش پر فارسی کے چند بند پڑھے۔ اس مجلس کا حال سماں علامہ شبلی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

> ''جلسہ دعوت میں سید محمود کی فرمائش سے میں نے چند بند فارسی میں لکھے اور کھانے کے بعد پڑھے۔ عجیب سماں بندھ گیا تھا۔ تمام حضار مجلس حقیقت میں بیتاب ہو گئے۔ سید محمود اٹھ اٹھ کر ہر بند کو کئی کئی بار پڑھواتے۔ وزیر صاحب نے بڑھ کر کہا کہ افسوس ہے کہ ان شعروں میں آپ نے میرا ذکر کیا ہے، ورنہ میں اس کی پوری داد دیتا۔'' (مکاتیب شبلی ج ا ص ۸۳)

علامہ شبلی کا یہ قصیدہ بھی کہیں مکمل دستیاب نہیں ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:

اے دل ایں مایہ انتظار کہ بود　　آخر ایں سستی از خمار کہ بود
چشم شوکت بہ رہ گذار کہ بود　　ہوس سرمہ غبار کہ بود
ایں بہ بیں خانہ جلوہ گاہ کہ ہست
پردہ دیدہ فرش راہ کہ ہست

ان کے قصیدے کا یہ ایک بند شہادت دے رہا ہے کہ علامہ شبلی نے مجلس کا جو سماں بیان کیا ہے، یقیناً ویسا ہی سماں بندھا ہوگا۔ (آثار شبلی ص ۴۴۷)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ

[•••]

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک برگزیدہ نبی ہیں۔ابوالانبیاءاور خلیل اللہ کے القاب سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔روئے زمین کے پہلے بت شکن حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی تھے۔ حالانکہ ان کے والد آذر بت پرست بھی تھے اور بت ساز بھی۔

ان کی ذات سے جو دوسرا بڑا واقعہ وقوع پذیر ہوا، وہ قربانی کا سلسلہ ہے۔پوری دنیا میں مسلمان آج بھی ان کی سنت ادا کرتا ہے۔ یہ سلسلہ ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عزیمت سے قائم ہوا۔گوان کی جگہ حکم الٰہی سے ایک دنبہ قربان ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی قبول ہونے بشارت دیدی گئی۔تاہم تاریخ انسانی کا یہ ایک بہت بڑا واقعہ ہے کہ باپ نے بیٹے سے کہا کہ خدا کا حکم ہے کہ میں تمہیں اللہ کی راہ میں قربان کروں۔اور بیٹے کی صالحیت اور سعادت مندی دیکھئے کہ فوراً رضامندی دیدی اور والد کے ساتھ قربان گاہ پہنچ کر سرِتسلیم خم کر دیا۔

ان دونوں اہم واقعات کی وجہ سے یہ انبیاء کرام ہمارے ادباء وشعراء کی خاص توجہ کے مستحق رہے ہیں اور متعدد شعراء نے ان پر نظمیں کہیں۔شاعرِ مشرق اقبال [۱۸۷۷-۱۹۳۸ء] نے تو ان کی بت شکنی اور آتش نمرود میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے عشق کی آزمائش وغیرہ کو اپنی شاعری میں فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ علامہ اقبال کے ذہن رسا نے اسے زندگی کے ایک نئے فلسفہ کے طور پر پیش کر دیا ہے۔علامہ شبلی نے بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ذکر اپنے انداز میں کیا ہے۔

آتش افروخت گل و مرگ چمن گشت خلیل
کہ برو آتش سوزندہ گلستاں آمد

(کلیاتِ شبلی فارسی ص:۲۲،۲۷)

دارا

[۵۵۰-۴۸۶ق م]

دارا [۵۵۰-۴۸۶ ق م]اصل نام داراب تھا۔ دارااسی کامخفف ہے۔ ایران کا نامور بادشاہ اورفاتح گذرا ہے۔اس کے باپ کا نام گستاسپ تھا۔ یہ ایک بہت بڑی سلطنت کا مالک تھا۔قندھار،مکران، بلوچستان،عرب اورمصر وغیرہ اس کے ملک کے صوبے تھے۔ شہنشاہیت، بہادری اوراولوالعزمی کے لئے شعراء دارا کا ذکر کرتے آئے ہیں۔ بلکہ یہ ہمارے شعرا کی محبوب تلمیح ہے۔ علامہ شبلی نے بھی ۱۹۰۷ء میں لکھنو میں پیش کئے جانے والے ترکیب بند میں دارا کا نام اس کی بہادری اورشجاعت کے لئے لیا ہے۔

تو حدیث از جم و کیخسرو دارا گوئی
سخن آں جا زمسیح و زسلیماں باشد

بعض اور مقامات پر بھی دارا کے نام کا ضمناً ذکر آیا ہے۔

(کلیات شبلی فارسی ص:۹)

راجندر پرشاد

[م:۱۸۸۳ء]

راجندر پرشاد کے بارے معلومات نہ مل سکیں۔ قیاس ہوتا ہے کہ یہ علامہ شبلی اوران کے برادران کے احباب میں سے تھے۔۱۸۸۳ء میں ان کا انتقال ہوا تو علامہ شبلی کے منجھلے بھائی حافظ مہدی حسن بیرسٹرایٹ لا نے علامہ شبلی سے تاریخ کی فرمائش کی۔ چنانچہ انہوں نے درج ذیل تاریخیں بزبان مہدی حسن کہیں:

[ا]

چو راجندر پرشاد در خاک خفت
کہ غافل ز پیچ و خم مرگ بود

مرا بود سرمایہ زندگی
وفا با منش تا دم مرگ بود
جہانے زمرگش غمیں شد بہ بیں
کہ ہم سال مرگش غم مرگ بود

[۲]

آں گراں پایہ یار من راجندر
از جہاں رفت و زیر خاک نہفت
خویشتن از میاں رمید و مرا
خان و مان شکیب پاک برفت
چارہ چوں نیست جز شکیبائی
خود چہ آید کنوں زگفت و شنفت
از سر وصل او تواں بگذشت
گرچہ ایں حرف خود نیارم گفت

۱۸۸۳ء-۱۸۸۹ء

وانگے سال مرگ او گفتم
کافتابی بزیرخاک نہفت

۱۸۸۳ء-۱۸۸۹ء

یہ تاریخی قطعات علامہ شبلی کے کلیات میں شامل نہیں ہیں بلکہ مکاتیب شبلی میں درج ہیں۔ راقم نے گذشتہ سال علامہ شبلی کی نادر تحریروں کو ''نوادرات شبلی'' کے نام سے یکجا شائع کیا ہے۔ مذکورہ تاریخی قطعات اس میں شامل ہیں۔

(آثار شبلی ص ۴۵۲)

رستم

[•••]

نامور ایرانی پہلوان جس کا ذکر فردوسی نے ''شاہنامہ'' میں تفصیل سے کیا ہے۔ اسے بعض لوگ افسانوی ہیرو بھی خیال کرتے ہیں۔ فارسی ادب میں اس کا بکثرت ذکر ملتا ہے۔ اس نے تورانی بادشاہ افراسیاب کو بار بار شکست دی اور کیقباد کو تخت نشیں کیا۔ ایک بار جب یہ کیکاؤس کی مدد کے لئے نکلا تو راہ میں سات معرکے سر کئے، جس کی داستان 'ہفت خوان رستم' کے نام سے مشہور ہے۔ علامہ شبلی نے ایک بند میں بطور تلمیح اس کا بھی نام لیا ہے۔

احرار کی صفوں کی صفیں ہیں جمی ہوئی
مجلس تمام عرصہ گہ کار زار ہے
اسٹیج پر ہر ایک بپھرتا ہے اس طرح
گویا حریف رستم واسفندیار ہے
ہاتھ اٹھ رہے ہیں یا علم فتح ہے بلند
چلتی ہوئی زباں ہے یا ذوالفقار ہے

(کلیات شبلی اردو ص ۱۷۴)

سید رشید رضا مصری

[۱۸۶۵-۱۹۳۵ء]

مصر کے نامور اہل قلم، عالم ومفسر، صاحب تفسیر المنار سید رشید رضا [۱۸۶۵-۱۹۳۵ء] مدیر مجلّہ المنار مصر اپنی ترقی پسندی اور روشن خیالی کی وجہ سے مصر اور مختلف افریقی ممالک میں خاصے معروف تھے۔ ہندوستان کے ایک بڑے حلقہ میں بھی بہت مقبول تھے۔ علامہ شبلی کے ان سے مراسم وتعلقات تھے۔ مراسلت بھی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لئے علامہ شبلی نے انہیں کو مدعو کیا تھا۔ چنانچہ وہ تشریف لائے اور اجلاس کی صدارت کی۔

ہندوستان میں روشن خیال علماء کے طبقہ میں عرصہ تک ان کا اور ان کے خطبہ کا ذکر رہا۔

علامہ شبلی نعمانی اور سید رشید رضا مصری دونوں ایک دوسرے سے نہ صرف واقف تھے بلکہ ایک دوسرے سے متاثر بھی تھے۔ علامہ شبلی انہیں کاروان رفتہ کی یادگار اور نئی نسل کا مایہ امید خیال کرتے تھے۔ علامہ شبلی نے ماہنامہ الندوہ میں ان پر بعض مضامین شائع کئے اور سید رشید رضا نے اپنے مجلّہ المنار میں جو مصر کے موقر رسائل میں شمار ہوتا تھا، اس میں علامہ شبلی اور ان کی کتاب ''الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی'' کے نہ صرف کچھ حصے شائع کئے، بلکہ ۱۹۱۲ء میں اسے کتابی صورت میں بھی مصر سے شائع کرایا۔ اب تو اس کا محقق ایڈیشن عام ہے، تاہم مصری ایڈیشن اب بھی کتب خانوں میں نظر آجاتا ہے۔

علامہ شبلی کے نزدیک علامہ شیخ رشید رضا مصری کا علم وفضل اور مقام ومرتبہ بہت بلند تھا اور وہ ان کے بڑے معترف ومداح تھے، مگر جب صاحبزادہ آفتاب احمد خاں [۱۸۶۷-۱۹۳۰ء] جیسے تحریک ندوہ کو ناپسند کرنے والے ندوہ کے معائنہ کے لئے آئے تو اندازہ کیجیے کہ علامہ شبلی کو کس قدر اذیت ہوئی ہوگی اور وہ کس قدر بے چین ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ اس موقع پر انہوں نے ایک نظم کہی، جس کا عنوان ''ندوۃ العلما اور رنگ معائنہ اغیار'' ہے۔ اس کے چند اشعار میں معائنہ اغیار کے ذیل میں سید رشید رضا کی فکر ونظر کا بھی ذکر ہے۔

جو مایہ امید ہے نسل جدید کا
جو کاروان رفتہ کی اک یادگار ہے
جس پر یہ حسن ظن ہے کہ ہے مجمع کرام
جس کا کہ مصر وشام میں اب تک وقار ہے
آیا تھا جس کے شوق میں وہ فاضل عرب
جس کا مرقع ادبی المنار ہے
چلتے ہیں جس کے نقش قدم پر حریف بھی
گو اعتراف حق سے ابھی ان کو عار ہے

جس نے خطابت عربی کو دیا رواج
جو فن جرح و نقد کا آموزگار ہے
جس نے بدل دیا روش و شیوۂ قدیم
یہ انقلاب گردش لیل و نہار ہے
آتے ہیں اس کی جانچ کو نا آشنائے فن
جو رہبر طریقہ اصلاح کار ہے
ارباب ریش و جبہ اقدس کا وہ گروہ
اب چند منشیوں کا اطاعت گذار ہے
(کلیات شبلی اردو ص:۱۸۹)

زہرا بیگم

[۱۸۶۸-۱۹۴۰ء]

زہرا بیگم [۱۸۶۸-۱۹۴۰ء] ترکی میں ہندوستان کے ایک بڑے کامیاب تاجر حسن علی آفندی [۱۸۳۸- ۱۹۰۳ء] کی بڑی بیٹی اور عطیہ فیضی [۱۸۷۷-۱۹۶۷ء] کی بڑی بہن تھیں۔ دونوں بمبئی میں ساتھ ہی رہتی تھیں۔ زہرا بیگم ۱۸۶۸ء میں ترکی میں پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی قمرالدین طیب جی [۱۸۳۶-۱۸۸۹ء] کے فرزند حیدر طیب جی سے ہوئی تھی، مگر کسی وجہ سے طلاق ہوگئی۔ پھر زہرا بیگم نے دوسرا نکاح نہیں کیا اور تجرد کی زندگی گذاری۔

ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت آطہ ترکی میں ہوئی، مگر تعلیم کہاں تک ہوئی اور کون سی اسناد ان کے پاس تھیں، اس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

زہرا بیگم بڑی باذوق، اہل قلم اور مضمون نگار خاتون تھیں۔ اردو کے ساتھ فارسی سے بھی بخوبی واقف تھیں۔ ''خطوط شبلی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شبلی کا فارسی کلام سمجھ لیتی تھیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں فارسی زبان پر کس درجہ عبور حاصل رہا ہوگا۔ انہوں نے بعض

کتابیں بھی لکھیں یا مرتب کیں۔ اپنے عہد کے رسائل بالخصوص خواتین کے رسائل کی مستقل مضمون نگار بھی تھیں۔ ''عصمت''، اور بعض دوسرے رسائل میں ان کے مضامین میری نظر سے گذرے ہیں۔ تہذیب نسواں لاہور، ظل السلطان بھوپال، ماہ نامہ الناظر لکھنو اور خاتون علی گڑھ میں بھی ان کی تحریریں شائع ہوئی ہیں۔ مضامین کا ایک مجموعہ جس کا نام معلوم نہ ہوسکا شائع ہوا تھا مگر اب وہ کہیں دستیاب نہیں ہے۔ اور نہ وہ میری نظر سے کہیں گذرا ہے۔

عطیہ فیضی [۱۸۷۷-۱۹۶۷ء] کی طرح ان کی بھی علامہ شبلی سے خط کتابت رہی۔ بلکہ ''خطوط شبلی'' مرتبہ محمد امین زبیری [۱۸۷۰-۱۹۵۸ء] میں عطیہ فیضی سے زیادہ خطوط ان کے نام ہیں اور ان خطوط میں تنوع بھی نسبتاً زیادہ ہے۔ علامہ شبلی کی بڑی مداح اور قدرداں تھیں۔ علامہ شبلی جب بمبئی جاتے تو ان کی دعوت کرتیں۔ حتیٰ کہ ان کا پرہیزی کھانا تیار کراتیں۔ علامہ شبلی نے ان کی والدہ امیر النساء کا جو مرثیہ لکھا ہے، وہ انہی کی جانب سے لکھا ہے۔ اپنی زبان سے دوسروں کے غم کی غمازی کچھ آسان نہیں۔ اس مرثیہ کے شروع کے دو اور آخر کا ایک شعر بطور نمونہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

بود بست و ششم و سیزدہ صد از ہجرت
کہ بزد نقش دگر بخت ستم گارہ ما

مہرباں مادر ما سایہ زما باز گرفت
آں ہمایوں نفس ، آں مونس و غم خوارہ ما

شبلی ایں مرثیہ گفتم ز زبان زہرا
آں کہ صد لطف عیاں داشتہ دربارہ ما

(کلیات شبلی فارسی ص:۴۴)

زہرا بیگم کے نام علامہ شبلی کے خطوط میں ان کے کئی فارسی قطعات اور بعض غزلیں بھی

شامل ہیں۔''کلیاتِ شبلی فارسی'' کی تدوین کے وقت یہ کلام غالبًا ہاتھ نہیں آیا،اس وجہ سے اس میں شامل نہیں ہوسکا۔حالانکہ وہ اس لائق ہے کہ اہتمام سے شامل کیا جائے، بلکہ اب تو بہرحال یہ ضروری ہے کہ کلیاتِ شبلی کا نیا ایڈیشن بغیران کی شمولیت کے نہ شائع کیا جائے۔خوف طوالت کی بنا پر نمونہ اشعار کو قلم انداز کیا جاتا ہے۔زہرا بیگم نے ۲۳دسمبر ۱۹۴۰ءکو بمبئی میں انتقال کیا۔چونکہ ان کا خاندان سلیمانی بوہرہ تھا،اس لئے بوہروں کے قبرستان گرگام میں مدفون ہوئیں۔

خانوادہ فیضی نے اردو زبان وادب کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔اہل علم اوراد با وشعراء سے فیضی خواتین کے تعلقات پر حاشیہ آرائی کے لئے بہت سے قلم نیام سے باہرآئے،مگرانہوں نے شعروادب کی جو حقیقی خدمات انجام دیں،مضامین لکھے،سفرنامے لکھے،شاعری کی اورشعری مجموعے شائع کئے۔ان کے مطالعہ وجائزہ کی ابتک کسی کو توفیق نہیں ہوئی۔خود محمد امین زبیری نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔

(آثارِ شبلی ص:۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶)

سرسالار جنگ،اول

[۱۸۲۹-۱۸۸۳ء]

سرسالار جنگ اول میر تراب علی خاں ۱۸۵۳ء میں محض ۲۴ رسال کی عمر میں حکومت آصفیہ میں مدارالمہام کے عہدہ پر فائز ہوئے۔اور مدۃ العمر اس پر متمکن رہے۔۱۸۸۳ء میں یعنی جس سال علامہ شبلی علی گڑھ کالج سے وابستہ ہوئے اسی سال موصوف نے وفات پائی۔وہ کالج کے محسن اور خیرخواہوں میں تھے۔چنانچہ ان کی وفات پرتعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔کارپردازان کالج نے اپنے اپنے طور پر دکھ کا اظہار کیا۔علامہ شبلی نے ان کے سانحہ وفات پرایک مرثیہ کہا۔مرثیہ طویل ہے۔اس کا آغاز ان اشعار سے ہوا ہے:

آہ! ایں چہ غم بود کہ جہانے است نوحہ گر
ایں آہ چہ ماتم است کہ خوں شد دل وجگر

تنہا ہمیں نہ دولت و ملک است در خطر
ہم شرع را نماند کنوں معنی دگر
(آثارِ شبلی،ص ۴۴۵)

حضرت سراقہ بن جعشمؓ

[م:۶۴۵ء]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کی غرض سے کفار مکہ سے چھپ چھپا کر نکلے گئے تو کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے والے کے لئے انعام کا اعلان کیا۔انعام کی طمع میں سراقہ بن جعشمؓ [م:۶۴۵ء] نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا تھا۔حضرت سراقہ بعد میں مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باران سے فرمایا تھا کہ سراقہؓ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔حضرت عمرؓ فاروق کے زمانہ میں جب مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا خزانہ قبضہ میں آیا اور کسریٰ کے ملبوسات حضرت عمرؓ فاروق کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے سراقہ کو بلا کر کسریٰ کا تاج ان کے سر پر رکھا اور اس کے کنگن پہنا کر اس کا پٹہ ان کی کمر میں باندھا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

علامہ شبلی نعمانی کی مذہبی ،اخلاقی اور سیاسی نظمیں اپنے عہد میں ایک الگ نوع کی ادبی تخلیقات تصور کی گئیں اور یہ نظریہ ابتک قائم ہے کہ مذہبی،تاریخی اور وقتی موضوعات پر نظمیں کہنے کا سلسلہ علامہ شبلی کا ایک کارنامہ ہے۔ان کی انہیں نظموں میں ایک نظم ''ہجرت نبویؐ'' ہے،جس میں حضرت سراقہؓ کا ذکر آیا ہے۔

چونکہ سو اونٹ کا انعام تھا قاتل کے لئے
آپ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالب زر

انہی لوگوں میں سراقہ خلف جعشم تھے
جن کو فاروق نے کسریٰ کے پہنائے تھے گہر

تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں
تھا جہاں عقرب وافعی کی حکومت کا اثر

بیم جاں ، خوف عدو ، ترک غذا ، سختی راہ
ان مصائب میں ہوئی اب شب ہجرت سے سحر
(کلیات شبلی اردو ص:۔۸۰)

سرسید احمد خاں

[۱۸۱۷-۱۸۹۸ء]

سرسید احمد خاں [۱۸۱۷-۱۸۹۸ء] بانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ۔ علامہ شبلی نعمانی کے محسن و مربی تھے۔ جن کی بدولت انہوں نے جدید افکار و نظریات سے آگاہی حاصل کی۔ سرسید دہلی میں ۱۷/اکتوبر ۱۸۱۷ء کو ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۷/مارچ ۱۸۹۸ء کو علی گڑھ میں وفات پائی اور وہیں مسلم یونیورسٹی کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

سرسید احمد خاں اردو کے عناصر اربعہ میں شامل ہیں۔ جن لوگوں کی بدولت اردو زبان نے ارتقاء کی منزلیں طے کیں اور بحیثیت ایک زبان کے تسلیم کرایا، ان میں ایک اہم نام سرسید احمد خاں کا بھی ہے۔ وہ انگریزی عہد میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ ایک نامور مصنف مولف اور اہل قلم تھے۔ متعدد علمی کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں آثار الصنادید، سیرت فریدیہ اور تفسیر القرآن بہت مشہور ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کے لئے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ اخبار علی گڑھ انسی ٹیوٹ گزٹ انہیں نے شروع کیا۔ علی گڑھ کالج کے علاوہ ان کا ایک اور

کارنامہ ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام بھی ہے۔

سرسید نے مسلمانوں کو بلکہ ملک کو جدید تعلیم اور اس کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کیا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو مستقبل پر غور وخوض کرنے اور مستقبل شناسی کا سلیقہ انہیں نے سکھایا۔ علامہ شبلی ان کے بے حد مداح تھے۔ مثنوی ''صبح امید'' انہوں نے صرف سرسید اور ان کی تعلیمی تحریک کی وضاحت وتشریح کے لئے لکھی تھی۔ ایک نقاد نے لکھا ہے کہ مثنوی ''صبح امید'' میں علامہ شبلی نے سرسید کا جیسا خوب صورت سراپا کھینچا ہے، ویسا سراپا مولانا حالی ''حیات جاوید'' میں نہ کھینچ سکے۔ ایک دو بند ملاحظہ ہوں۔

ماتم تھا یہی کہ آئی ناگاہ
اک سمت سے اک صدائے جاں کاہ
اس شان سے تھی وہ آہ دل گیر
پہلو میں اثر بغل میں تاثیر
دل ہاتھ سے لینے میں بلا تھی
جادو تھی؟ فسوں تھی؟ جانے کیا تھی؟
ڈوبی ہمہ تن جو تھی اثر میں
نشتر سی اتر گئی جگر میں
جس سمت سے آئی تھی وہ آواز
وہ جلوہ نمائے سحر و اعجاز
جنبش جو ہوئی رگ اثر کو
دل تھام کے سب بڑھے ادھر کو
دیکھا تو وہاں بجاہ وتمکیں
آیا نظر اک پیر دیریں
صورت سے عیاں جلال شاہی

چہرے پہ فروغ صبح گاہی
وہ ریش دراز کی سپیدی
چھٹکی ہوئی چاندنی سحر کی
پیری سے کمر میں اک ذرا خم
توقیر کی صورت مجسم
وہ ملک پہ جان دینے والا
وہ قوم کی ناؤ کھینے والا

اردو کے ایک ممتاز نقاد کلیم الدین احمد [۱۹۰۸-۱۹۸۳ء] نے تو مثنوی ''صبح امید'' کو مولانا حالی کے ''مسدس مدوجزر اسلام'' پر ترجیح دی ہے۔ (اردو شاعری پر ایک نظر ص۴۳) ان کے اپنے دلائل ہیں۔ جنہیں ہم تسلیم کریں یا نہ کریں، لیکن اس کی اہمیت سے بہر حال انکار نہیں کر سکتے۔ البتہ علامہ شبلی سرسید احمد خاں کے سیاسی نظریہ کو ناپسند کرتے تھے۔ اس سے ان کو شدید اختلاف تھا۔ اسے انہوں نے چھپایا بھی نہیں، بلکہ اس کا ذکر اعلانیہ صاف لفظوں میں کیا۔ ایک خط میں واضح طور پر لکھا ہے کہ میں ان کے ساتھ ۱۶؍برس رہا، مگر ان کے سیاسی خیالات کو ناپسند کرتا رہا۔ علی گڑھ کالج کے سلسلہ میں ان کی کئی باتوں سے ان کے قریبی رفقا کو بھی اختلاف رہا۔ خاص طور سے سید محمود کی جانشینی کو لے کر بعض ان کے بہت قریبی احباب نے اختلاف ظاہر کیا۔ مولوی سمیع اللہ تو ان سے علاحدہ ہی ہو گئے۔ مگر علامہ شبلی نعمانی نے اس سلسلہ میں ایک دوسری بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں:

کوئی پوچھے تو میں کہہ دوں گا ہزاروں میں یہ بات
روش سید مرحوم خوشامد تو نہ تھی
ہاں مگر یہ ہے کہ تحریک سیاسی کے خلاف
ان کی جو بات تھی آورد تھی آمد تو نہ تھی

(کلیات شبلی اردو ص: ۵۸، ۱۵۶، ۱۸۷، ۱۹۷)

کلیاتِ شبلی فارسی میں بھی سر سید مرحوم کا ذکر خیر کئی جگہ آیا ہے۔ طوالت کے خوف سے ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی ۱۸۹۱ء میں سر سید احمد خاں [۱۸۱۷-۱۸۹۸ء] کے ساتھ حیدر آباد گئے۔ اس سے متعلق علامہ شبلی نے ایک مفصل ''ترکیب بند'' لکھا ہے۔ جو غالباً حیدر آباد کے جلسے میں پڑھا تھا۔ اس میں سر سید اور ان کی جدید تعلیمی تحریک کا بڑا پر اثر ذکر ہے۔ اس کی اہمیت اور ضرورت بھی بیان کی گئی ہے۔ لیکن سر سید احمد خاں کے حوالہ سے علامہ شبلی کی جو قابل ذکر شاعری ہے، اس کا ایک نمونہ وہ عربی قصیدہ ہے، جو علامہ شبلی نے سر سید سے اپنی پہلی ملاقات پر بطور نذرانہ پیش کیا تھا اور جسے سر سید نے بے حد پسند کیا اور اپنے اخبار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں شائع کیا۔ یہ قصیدہ عربی میں ہونے کی وجہ سے ذرا کم مطالعہ کیا گیا اور کم ذکر آیا حالانکہ یہ دراصل مثنوی صبح امید کا متن ہے۔ اس کے چند اشعار اور اس کا ترجمہ بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

ان کنت تسئلنی من هٰذه صفته

قلت الامام الهمام السيد البطل

ترجمہ: اگر تم مجھ سے پوچھو کہ وہ کون ہے؟ تو میں کہوں گا، امام سردار، بہادر، سید

هو الذی فاق فی الآفاق منزلة

ونال مالم تنله الاعصر الاول

ترجمہ: وہ وہ ہے کہ تمام ملک میں بلند رتبہ ہوا، اور وہ بات حاصل کی جو قدما کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔

يا خير من سيط حب القوم من دمه

احسن ولا تبتئس من سوء ماعملوا

ترجمہ: اے ان لوگوں میں بہتر جن کے خون میں قوم کی محبت پیوست ہوگئی ہے، عمدہ کام کر اور جو برائیاں قوم نے کیں ان سے غم زدہ نہ ہو۔

اشعار کا اردو ترجمہ مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے ہے اور ''حیات شبلی'' سے نقل کیا گیا

ہے۔اس کے دوسرے اشعار بھی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔(حیات شبلی ص۱۷۲-۱۷۳)

سکندر اعظم

[۳۵۶ - ۳۲۳ق م]

سکندر اعظم [۳۵۶-۳۲۳ق م] ایک فاتح اعظم ہے۔۳۳۶ق م مقدونیہ کے تخت پر بیٹھا۔اور بہت جلد مختلف مما لک پر قابض ہوگیا۔ایران میں نا قابل شکست دارا کو شکست دی اور ایران،مصر، بابل،خراسان سارے علاقے کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔سکندر بڑا جنگ جو، دلیر اور بڑی فہم وفراست کا مالک تھا۔اسے ارسطو سے شاگردی کا بھی شرف حاصل تھا۔اس کا ذکر شعراء اس کی شجاعت و بہادری اور نا قابل شکست فاتح کی حیثیت سے کرتے رہے ہیں۔علامہ شبلی نے بھی ایک شعر میں اس کا نام لیا ہے:

ما نہ آنیم کہ دیہیم سکندر طلبیم
ما نہ آنیم کہ اورنگ سلیماں داریم
(کلیات شبلی فارسی ص:۲۸)

سلطان جہاں بیگم

[۱۸۵۸-۱۹۳۰ء]

سلطان جہاں بیگم [۱۸۵۸-۱۹۳۰ء] ریاست بھوپال کی نیک دل، پاک طینت، ذی علم،اور بڑی جہاں دیدہ خاتون حکمراں تھیں۔اپنی والدہ نواب شاہ جہاں بیگم [۱۸۳۸-۱۹۰۱ء] کی وفات کے بعد ۱۹۰۱ء میں بھوپال کے تخت حکمرانی پر متمکن ہوئیں۔

شاہ جہاں بیگم [۱۸۳۸-۱۹۰۱ء] نے ان کی تعلیم وتربیت میں خصوصی دلچسپی لی اور نادرۂ عصر علماء وفضلاء کے سامنے انہوں نے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔وہ کئی زبانوں سے واقف تھیں۔ مختلف اسلامی علوم وفنون پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی۔۳۰ سے زاید کتابیں ان کے قلم سے نکلیں۔

مصوری، گھڑ سواری اور نشانہ بازی میں بھی مہارت رکھتی تھیں۔ ان فنون سے متعلق بھی کتب و رسائل ان کے قلم سے شائع ہوئے۔ انہوں نے نہایت عمدہ حکمرانی کی۔ اور اپنے عہد حکومت [۱۹۰۱-۱۹۲۶ء] میں ریاست بھوپال کا نظم و نسق بڑی خوب صورتی سے سنبھالا۔

بیگم صاحبہ علم اور اہل علم کی بڑی قدرداں تھیں۔ دلیر اور نہایت فیاض دل واقع ہوئی تھیں۔ سخاوت، فیاضی اور فراخ دلی سے اہل علم اور علمی و تعلیمی اداروں کی مدد اور سرپرستی کرتی تھیں، بلکہ اس معاملہ میں وہ یکتائے روزگار تھیں۔ علامہ شبلی کو بہت عزیز رکھتی تھیں۔ علامہ نے ''سیرۃ النبیؐ'' کی تالیف کا جب آغاز کیا تو اس کی تمام تر مالی ذمہ داری بیگم سلطان جہاں نے اپنے سر لے لی۔ اپریل ۱۹۱۲ء میں اس کی منظوری ملی تھی۔ اس موقع پر علامہ شبلی نے ایک قطعہ کہا تھا، جس نے ادبی دنیا میں بڑی شہرت پائی۔ وہ قطعہ یہ ہے:

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے مقیم آستان غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر ؐ خاتم
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

ماں (سلطان جہاں بیگم) نے ''سیرۃ النبیؐ'' کی تصنیف و تالیف کا ذمہ لیا تو ان کے بیٹوں نے اپنا حق الگ ادا کیا۔ بڑے صاحبزادہ کرنل عبیداللہ خاں [۱۸۷۸-۱۹۲۴ء] نے سیرت کے انگریزی ترجمہ کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی تو چھوٹے صاحبزادہ نواب حمیداللہ خاں [۱۸۹۴-۱۹۶۰ء] نے سیرت کی تصنیف میں کام آنے والی کتابوں کے لئے ایک ہزار روپئے یکمشت ادا کئے۔ گو صاحبزادہ کرنل عبیداللہ خاں اپنا حق ادا کرنے سے پہلے جنت کو سدھارے۔ تاہم سیرت نبویؐ کے حوالہ سے یہ ایک بڑی اہم اور قابل ذکر بات تھی۔ فراخ دلی، سیرچشمی اور حوصلہ مندی کے انہی واقعات سے متاثر ہو کر علامہ شبلی نے یہ قطعہ کہا تھا:

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہرصورت
کہ ابر فیض سلطان جہاں بیگم زرافشاں ہے

رہی تالیف و تنقید روایت ہائے تاریخی
تو اس کے واسطے حاضر مرادل ہے مری جاں ہے
غرض دو ہاتھ ہیں اس کام کے انجام میں شامل
کہ جن میں اک فقیر بے نوا ہے ایک سلطاں ہے

(کلیاتِ شبلی اردو ص:۲۰۶)

بیگم سلطان جہاں صاحبہ نے جب ندوۃ العلماء کی مستقل ماہانہ امداد کی منظوری دی تو اس موقع پر ان کا شاعرانہ جوش قابو میں نہ رہ سکا، اورانہوں نے ''قصیدۂ تشکر'' لکھا، جوان کے فارسی کلیات میں شامل ہے۔ ظاہر ہے یہ قصیدۂ تشکر ہی ہے اوراس قصیدہ میں بیگم صاحبہ کی تعریف و تحسین اور مدح وستائش ہی ہے۔تاہم انہوں نے امراء وروسا کی بیجا مدح سرائی سے ہمیشہ احتراز کیا تھا۔اس موقع پراس کا بھی ذکر کیا کہ

شبلی غمزدہ را مدح شہاں شیوہ نبود
لیک لطفت ہمہ را بندہ احساں کردہ است

علامہ شبلی نے اس قصیدہ میں بیگم صاحبہ کو رابعہ بصریہ [۷۱۳-۸۰۱ء] سے تشبیہ دی ہے۔ہم اسے شاعرانہ مبالغہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

(کلیاتِ شبلی فارسی ص:۳۵،۳۶)

حضرت سلیمانؑ

[•••]

سلیماں سے مراد اللہ کے ایک برگزیدہ نبی حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔جو حضرت داوٗد علیہ السلام کے فرزند اور نبی تھے۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے بیت المقدس کی تعمیر کی تھی۔ وہ چرند پرند کی بولیا سمجھتے تھے۔حتیٰ کہ ان سے گفتگو بھی کر سکتے تھے۔ان کی حکمرانی تمام جن وانس اور چرند وپرند پر تھی۔ملکہ سبا بلقیس انہیں کے دست مبارک پر ایمان لائی تھی۔ان

کا ذکر قرآن مجید میں سورہ النمل میں آیا ہے۔علامہ شبلی کی شاعری میں کئی جگہ ان کا ذکر ہے۔

بوئے گل ہست کہ بردوش صبا تکیہ زدہ است
من غلط کردم وگفتم کہ سلیماں آمد

دوسرا شعر یہ ہے جو ترکیب بند ندوۃ العلماء میں شامل ہے:

ما نہ آنیم کہ دیہیم سکندر طلبیم
ما نہ آنیم کہ در اورنگ سلیماں داریم

(کلیات شبلی فارسی ص:۹،۲۲،۲۸)

سید سجاد عالی۔حضرت حسینؓ

[۶۲۶-۶۸۰ء]

سید سجاد عالی سے مراد نواسہ رسولؐ، سید الشہداء حضرت حسینؓ [۶۲۶-۶۸۰ء] ہیں۔جن کی شہادت تاریخ اسلام کا سب سے بڑا غم انگیز اور دلدوز حادثہ ہے۔علامہ شبلی نعمانی نے سانحہ مسجد کان پور پر جو نظمیں یا قطعات کہے ہیں اور جن سے ملک میں رجز اور ماتم کی ایک فضا چھا گئی تھی۔ان میں ایک قطعہ کا عنوان ''علمائے زندانی'' ہے۔اس کا ایک شعر یہ بھی ہے کہ

پنہائی جارہی ہیں عالمان دیں کو زنجیریں
یہ زیور سید سجاد عالی کی وراثت ہے

ایک اور قطعہ جس کا عنوان ''پابہ زنجیران کان پور'' ہے، بہت اہم اور اثر انگیز ہے۔اس میں علامہ شبلی نے اپنے پاؤں کے کٹ جانے اور مجبور و بے بس ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔فرماتے ہیں:

ہم قدم آپ کا ہونا تو بہت ہے دشوار
ان کا کیا ذکر جو اس درد میں شامل ہی نہیں
پاؤں کٹنے کا مجھے آج ہوا ہے صدمہ

یعنی افسوس میں زنجیر کے قابل ہی نہیں

کان پور مسجد کا اندوہ ناک واقعہ جب پیش آیا اور انگریز حکمرانوں نے انتہائی بے رحمی سے نہتے مسلمانوں پر گولیاں چلائیں۔ علامہ شبلی اس وقت بمبئی میں تھے۔ اپنی عدم موجودگی پر اظہار تاسف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شہیدان وفا کی خاک سے آتی ہیں آوازیں
کہ شبلی بمبئی میں رہ کے محروم سعادت ہے

(کلیات شبلی اردو ص: ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۶۶)

سید محمود

[۱۸۵۰-۱۹۰۳ء]

جسٹس سید محمود [۱۸۵۰-۱۹۰۳ء] خلف سر سید احمد خاں بانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ نے اپنے زمانہ کے مشہور کوئنس کالج بنارس میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ۱۸۵۹ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ گئے اور ۱۸۷۳ء میں بیرسٹر ہوکر لوٹے۔ پہلے ضلع جج پھر الہ آباد ہائی کورٹ کے جج منتخب ہوئے۔ ہائی کورٹ الہ آباد کا جج منتخب ہونے پر مختلف مقامات اور شہروں میں جشن منعقد ہوئے۔ اعظم گڑھ میں بھی ایک تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں علامہ شبلی شریک ہوئے اور نہایت شاندار تقریر کی۔ علامہ شبلی کی دریافت تقریروں میں یہ سب سے قدیم تقریر ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس وقت تک علامہ شبلی نعمانی نہ ایم اے او کالج علی گڑھ سے وابستہ ہوئے تھے اور نہ انہیں سر سید احمد خاں کا قرب حاصل ہوا تھا۔

علامہ شبلی ۱۸۸۳ء میں جب ایم اے او کالج علی گڑھ سے وابستہ ہوئے تو نہ صرف سر سید سے بہت قربت حاصل رہی بلکہ سید محمود سے بھی ان کا یارانہ رہا۔ ان کی شادی کی تقریب میں علامہ شبلی نے جو تہنیتی اشعار پیش کئے تھے، ان سے بھی والہانہ لگاؤ کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ نظم خاصی طویل ہے۔ بطور نمونہ اس کے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

قوم کو ناز ہے اے سید والا تجھ پر
جمع اسلام کو ہے آج تری ذات پہ بل
تیرے اسلاف کے موجود ہیں جوہر تجھ میں
وہی ہمت وہی اخلاق وہی طرز عمل
ہیں تری نکتہ شناسی کے سراپا شاہد
فیصلے صدر میں تونے جو لکھے قل و دل
اک جہاں مان گیا زور قلم کو تیرے
شرع کے معنی پیچیدہ کئے تو نے جو حل
آج ہم سب کی امیدوں کا جو مرکز ہے تو
تو بھی اس راہ میں اسلاف کی رفتار پہ چل
باپ کی طرح سے تو قوم کا بن پشت پناہ
جانشینی کے لئے کون ہے تجھ سے افضل
ایک عالم کو مسلم ہے ترا فضل و کمال
پھر نہ مانے کوئی حاسد تو جنوں کا ہے خلل
قوم کی چارہ نوازی بھی ہے تجھ پر لازم
تجھ کو خالق نے بنایا ہے جو مسعود ازل

بعد میں سید محمود[۱۸۵۰-۱۹۰۳ء] کے بے تکے رویہ کی وجہ سے دونوں کے درمیان ناچاقی ہوگئی۔ یہاں تک کہ سید محمود علامہ شبلی نعمانی کے شدید مخالف ہوگئے اور ان میں طرح طرح کے عیوب نکالنے لگے۔ ان کی فہرست عیوب میں ایک عیب یہ بھی تھا کہ علامہ شبلی طلبہ کو درس قرآن اس قدر دلچسپ انداز میں دیتے ہیں کہ طلبہ دوسرے مضامین سے کم دلچسپی لیتے ہیں۔ ہنر کو عیب کرنا شاید اسی کو کہتے ہیں۔

علامہ شبلی سر سید احمد خاں کی وفات کے فوراً بعد مئی ۱۸۹۸ء میں علی گڑھ کالج کی ملازمت

سے مستعفی ہوگئے تھے۔ واضح رہے کہ اس وقت سید محمود ہی علی گڑھ کالج کے سکریٹری اور سیاہ وسپید کے مالک تھے۔(کلیات شبلی اردو ص ۷۳)

سیزر

[۱۰۰-۴۴ ق م]

ایک شعر میں سیزر[۱۰۰-۴۴ ق م] کا بھی نام آیا ہے۔

از ابوبکر و عمر ہیچ بہ یادت ناید
گرمی بزم تو از سیزر اعظم باشد

جولیس سیزر کو قیصر اعظم کہا جاتا ہے۔ یہ یونان کا جرنیل اور حکمراں تھا۔اس نے رومی سلطنت کو افریقہ سے یورپ تک وسیع کر دیا تھا۔اس کی عظمت اور جاہ وجلال کا شعراء ذکر کرتے رہے ہیں۔ مذکورہ شعر میں علامہ شبلی نے مسلمانوں کو غیرت دلائی ہے کہ تم ابوبکرؓ وعمرؓ جیسی برگزیدہ ہستیوں کو فراموش کر بیٹھے ہو اور تمہاری بزم میں گرمی محفل کا ساماں قیصر اعظم جیسے دنیاداروں سے ہوتا ہے جن سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔(کلیات شبلی فارسی ص ۱۰)

صائب اصفہانی

[۱۶۰۱-۱۶۷۷ء]

میرزا محمد علی صائب تبریزی اصفہانی [۱۶۰۱-۱۶۷۷ء] تبریز ایران میں پیدا ہوئے۔ پھر اصفہان چلے آئے۔اسی لئے مورخین تبریزی اور اصفہانی دونوں نسبتیں لکھتے ہیں۔اصفہان سے وہ ہندوستان آ گئے اور برسوں اپنے دوست ظفر خان احسن گورنر کشمیر کے ساتھ دہلی اور کشمیر وغیرہ میں مقیم رہے۔شاہ جہاں[۱۵۹۲-۱۶۶۶ء] کا عہد تھا۔اس نے مستعد خاں کا خطاب دیا۔ان کے والد ۷۶ رسال کی عمر میں انہیں ایران واپس لے جانے کے لئے ہندوستان آئے۔نہ چاہتے ہوئے بھی احباب نے اجازت دیدی اور وہ واپس ایران چلے گئے۔شاہ جہاں نے زادراہ کے

طور پر ایک بڑی رقم بطور تحفہ پیش کی۔ ایران میں شاہ عباس ثانی صفوی [۱۶۳۲-۱۶۶۶ء] کے دربار میں ملک الشعراء منتخب ہوئے۔

مرزا صائب کی شاعری نے بڑی مقبولیت پائی۔ علامہ شبلی نے ''شعر العجم'' میں ان کی شاعری پر مفصل نقد و تبصرہ لکھا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ایرانی شاعری کا خاتمہ صائب پر ہوا۔ گو شاعری کا سلسلہ ان کے بعد بھی قائم رہا، مگر صائب کے بعد میدان شاعری میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہ ہو سکا۔ علامہ شبلی صائب سے اس قدر متاثر ہیں کہ انہوں نے اپنی ایک غزل میں کہا ہے کہ شعر و شاعری میں جو کام اصفہان ایران میں صائب نے انجام دیا، وہی میں نے ہندوستان میں انجام دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ہماں کرد از سخن در ہند شبلی
کہ صائب در سواد اصفہاں کرد

صائب نے شعرا کے کلام کا ایک انتخاب مرتب کیا تھا۔ علامہ شبلی نے اس کے انتخاب کی بھر پور داد دی ہے اور لکھا ہے کہ ''جس شاعر کے جتنے اشعار انتخاب کر دئے ہیں، وہی اس کے تمام دیوان کا عطر ہے۔'' (شعر العجم ج ۳ ص ۱۶۵)

علامہ شبلی نے صائب کو تمثیل کا شاعر قرار دیا ہے اور اس وصف میں اسے بے نظیر بتایا ہے، اگر یہ اس کا وصف خاص ہے اور اس نقطہ نظر سے علامہ شبلی کی غزلیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو ان کا قول درست ثابت نہ ہوگا۔ (کلیات شبلی فارسی ص:۶۷)

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

[۱۱۳۸-۱۱۹۳ء]

سلطان صلاح الدین ایوبی [۱۱۳۸-۱۱۹۳ء] فاتح بیت المقدس کا شمار دنیا کے بڑے اولوالعزم سپہ سالاروں، دلیر اور حوصلہ مند فاتحین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے پہلے عراق، دمشق اور مصر کو فتح کر کے اپنی مضبوط حکومت قائم کی۔ بعد ازاں ۲/اکتوبر ۱۱۸۷ء کو بیت المقدس فتح

کر کے پورے یورپ پر ہیبت طاری کر دی اور مسلمانوں کو ان کا بیت المقدس دیدیا۔اس کے بعد یورپ نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت حاصل کر کے قبلہ اول مسلمانوں سے چھین لیا اور ہر طرح کے مظالم آج تک کر رہا ہے۔علامہ شبلی نے نثر کے ساتھ نظم میں بھی یورپ کے اس رویہ کا ماتم کیا ہے۔''شہر آشوب اسلام'' میں علامہ شبلی نے اس کی بڑی دردناک تصویر کھینچی ہے۔اسی میں ایک شعر یہ بھی ہے کہ

کہاں تک لوگے ہم سے انتقام فتح ایوبی
دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک

کہا جاتا ہے کہ علامہ شبلی کو جاہ وجلال اور عظمت وسطوت بہت پسند ہے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان ناموران اسلام کی سوانح عمریاں لکھیں جن کی عظمت و بلند پایگی مسلم تھی۔وہ غازی صلاح الدین ایوبی کی بھی سوانح عمری لکھنا چاہتے تھے،مگر ان کی یہ خواہش پوری ہونے سے پہلے ان کی زندگی پوری ہوگئی۔

(کلیات شبلی اردو ص:۱۲۰)

ظہیر فاریابی

[۱۱۵۶-۱۲۰۱ء]

ظہیرالدین،ظہیر فاریابی[۱۱۵۶-۱۲۰۱ء]فارسی کا بڑا نامور شاعر گذرا ہے۔۱۱۵۶ء میں فاریاب افغانستان میں پیدا ہوا۔اور ۱۲۰۱ء میں ایران کے شہر تبریز میں وفات پائی۔اس کی شاعری نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔کسی شاعر ہی کا قول ہے کہ''دیوان ظہیر فاریابی در کعبہ بدزد اگر بیابی''یعنی اگر تم کو ظہیر فاریابی کا دیوان کعبہ میں بھی ملے تو چرالو۔۱۹۱۶ء میں مطبع نول کشور لکھنو نے ان کا کلیات بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا۔علامہ شبلی ظہیر فاریابی کے بڑے مداح ہیں۔اگر چہ''شعرالعجم''میں مستقل تذکرہ نہیں لکھا ہے،تاہم اس کا ذکر اس کثرت سے آیا ہے کہ شاید ہی''شعرالعجم''کا کوئی حصہ اس کے ذکر سے خالی ہوگا۔''کلیات شبلی''کے''قصیدہ متضمن

تحسین طرزنو'' کے ایک شعر میں بھی علامہ نے ظہیر فاریابی کو یاد کیا ہے۔ (کلیات شبلی فارسی ص ۱۷)

اورنگ زیب عالم گیر

[۱۶۱۸-۱۷۰۷ء]

شہنشاہ اورنگزیب عالم گیر [۱۶۱۸-۱۷۰۷ء] مغل حکمراں شاہ جہاں [۱۵۹۲-۱۶۶۶ء] کا دوسرا بیٹا اور ہندوستان کا نامور بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے نصف صدی تک ہندوستان پر شہنشاہی کی۔ ہندوستان میں ظالم انگریز حکمرانوں نے اپنے استحکام کے لئے ہندؤں اور مسلمانوں میں منافرت پیدا کی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جو کوششیں کیں، اس میں ایک کوشش یہ بھی شامل تھی کہ عالم گیر نے ہندؤں پر مظالم ڈھائے اور ان کے مندر توڑے۔ چنانچہ انہوں نے تاریخ میں اس طرح کے متعدد واقعات لکھ کر عالم گیر کو نہایت ظالم و جابر ثابت کیا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔ اس کے نتیجے میں دونوں قوموں یعنی ہندؤں اور مسلمانوں کے درمیان شدید منافرت پیدا ہوگئی۔ علامہ شبلی کے ایک شاگرد رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر [۱۸۷۸-۱۹۳۱ء] نے ان کی توجہ اس منافرت کی جانب مبذول کرائی اور خواہش ظاہر کی کہ آپ اس کا تدارک فرمائیں۔ چونکہ علامہ شبلی ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی و داعی تھے۔ چنانچہ انہوں نے انگریز مورخین کی کذب بیانی اور اس کے مضمرات کو محسوس کرتے ہوئے بدلائل عالم گیر پر عائد الزامات کا رد لکھا اور نہایت اہم کتاب ''اورنگزیب عالم گیر پر ایک نظر'' کے نام سے لکھی۔ جسے اردو میں اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔ علامہ شبلی نے اپنی نظم ''ہمارا طرز حکومت'' میں ایک شعر یہ بھی کہا ہے کہ

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالم گیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستم گر تھا

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کے سابق ناظم سید صباح الدین عبدالرحمٰن [۱۹۱۱-۱۹۸۷ء] نے مذکورہ کتاب کو انگریزی میں منتقل کر دیا ہے۔ جسے ''ادارہ ادبیات دلی'' دہلی نے شائع کیا تھا۔

اب دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ نے بھی شائع کر دیا ہے۔
(کلیات شبلی اردو ص۱۰۲)

حضرت عباسؓ

[۵۶۸-۶۵۳ء]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب [۵۶۸ -۶۵۳ء] جنگ بدر میں کفار کی طرف سے جنگ میں شامل تھے۔جنگ میں کفار کو شکست ہوئی اور دیگر لوگوں کے ساتھ وہ بھی گرفتار ہو کر قید ہوئے اور قیدیوں کے ساتھ رکھے گئے۔مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔شب میں تکلیف سے کراہے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو کر کروٹیں بدلنے لگے۔صحابہ کرامؓ نے بے چینی کا سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کان میں عباسؓ کی کراہنے کی آوازیں آرہی ہیں۔چنانچہ صحابہؓ نے ان کی مشکیں کھول دیں۔

پھر انہیں حضرت عباسؓ کا پوتا منصور عباسی تخت خلافت پر جب متمکن ہوا تو اس نے حکم دیا کہ اولادِ رسولؐ جہاں کہیں ہوں ان کو جمع کیا جائے۔پھر جو ملا سب کو زنجیر پہنا کر قید کر دیا گیا۔ایک دن منصور عباسی اس طرف سیر کو آ نکلا، جہاں جان وجگر رسولؐ پابہ زنجیر قید تھے۔مجمع سادات سے ایک شخص نے بڑھ کے اسے وہ واقعہ یاد دلایا کہ غزوۂ بدر میں ہم نے جو سلوک کیا تھا، وہ یہ تو نہیں تھا، بلکہ اس کے برعکس کچھ اور تھا۔

علامہ شبلی نے تاریخ کے اس تکلیف دہ اور عبرت ناک واقعہ کو منظوم کیا ہے اور سادات کے سوال کو''جرات صداقت'' سے تعبیر کیا ہے۔ان کے کلیات فارسی کے ایک ترکیب بند میں جو ندوہ کے ایک جلسہ عام میں پیش کیا گیا تھا، یہ شعر بھی شامل ہے۔

ورق دفتر عباس بتاراج برفت
اختر فاطمیان خود زمدار افتاد است

کاروان رفتہ واندازہ جاہش پیداست
زاں نشانہا کہ بہر راہ گذار افتاد است
(کلیات شبلی اردو ص:۹۹۔کلیات شبلی فارسی ص۳۰)

سلطان عبدالحمید خاں

[۱۸۴۲-۱۹۱۸ء]

دولت عثمانیہ کے خلیفہ سلطان عبدالحمید خاں [۱۸۴۲-۱۹۱۸ء] جو ۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۹ء تک مسند آرائے خلافت تھے، بالآخر یورپ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے معزول کر دئے گئے اور اسی کے ساتھ اس روئے زمین سے خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ علامہ شبلی کو ترکوں سے بے پناہ اور جذباتی تعلق تھا۔ ۱۸۷۷ء میں قسطنطنیہ روس جنگ کے موقع پر نوجوانی میں انہوں نے اعظم گڑھ میں تین ہزار روپئے کا چندہ کر کے قسطنطنیہ بھیجا تھا۔ اسی تعلق اور بعض دوسرے علمی و تعلیمی اسباب سے انہوں نے ٹرکی کا سفر بھی کیا۔ خلیفہ سلطان عبدالحمید خاں اس وقت سریرائے خلافت تھے۔ ان کے ہاتھوں علامہ شبلی کے علم و فضل کا اعتراف ہوا اور ''تمغۂ مجیدیہ'' سے سرفراز کیا گیا۔ علامہ شبلی نے اردو و فارسی میں خلیفہ سلطان عبدالحمید خاں کے کئی قصیدے کہے ہیں۔ رسم سلاملق پر بھی ایک مثنوی کہی ہے۔ کلیات شبلی اردو میں بھی ایک قصیدہ شامل ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ اس قدر عمدہ قصیدہ ہے کہ بس پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شبلی کے قصائد عام قصیدہ نگاری کے طرز سے قدرے مختلف ہیں۔ وہ نہ شخصیت کے بیان میں مبالغہ کرتے ہیں اور نہ زمین کو آسمان بناتے ہیں۔ باوجود اس کے ان کے قصاید اپنی تمام تر رعنائیوں سے پر ہیں۔ اس قصیدہ کی ابتدا سے اس کی انتہا کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس لئے شروع کے چند اشعار ملاحظہ کریں۔

پھر بہار آئی ہے شاداب ہیں پھر دشت و چمن
بن گیا رشک گلستان ارم پھر گلشن

شعلہ زن پھر چمنستاں میں ہوئی آتش گل
پھر صبا چلتی ہے گلشن میں بچا کر دامن
آگ پانی میں لگا دی ہے کسی نے شاید
حوض میں عکس گل و لالہ ہے یا جلوہ فگن
باغ میں باد بہاری کی جو آمد کی ہے دھوم
بہر تسلیم ہر اک شاخ کی خم ہے گردن

(کلیات شبلی اردو ص:۷۸)

پروفیسر محمود الٰہی [۱۹۳۰-۲۰۱۴ء] کی اردو قصیدہ نگاری کی تاریخ اور ارتقاء پر بڑی گہری نگاہ تھی۔قصائد شبلی کی انہوں نے بھی داد دی ہے۔(ادیب علی گڑھ،شبلی نمبر ص ۱۳۹)

علامہ شبلی جب ۱۸۹۲ء میں ترکی گئے تو وہاں ترکوں کی ایک رسم ''سلاملق'' میں شریک ہوئے۔رسم سلاملق میں دراصل خلیفہ کی سواری نکلتی ہے اور لوگ ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔علامہ شبلی نے بھی اس منفرد رسم میں شریک ہو کر خلیفہ کی زیارت کی۔اس موقع پر انہوں نے ایک مثنوی بھی کہی تھی۔جو فارسی کلیات میں ''موکب ہمایوں'' کے عنوان سے شامل ہے۔اس مثنوی سے نہ صرف رسم ''سلاملق'' اور اس کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ علامہ شبلی کے دلی جذبات واحساسات کا بھی پتہ لگتا ہے۔اس کے علاوہ خاص سلطان عبدالحمید خاں کی مدح میں بھی ایک نظم ''کلیات شبلی'، فارسی میں شامل ہے۔اس کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے:

ہاں دگر فصل بہار آمد و آراستہ شد
بزم عیشے کہ درو نیست جز از بادہ سخن

اور مقطع یہ ہے:

تا زمان است ترا یار بود دولت وجاہ
تا جہاں است موافق بودت چرخ کہن

(کلیات شبلی فارسی ص:۵۰،۵۱،۹۶،۹۷)

حکیم عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی

[۱۸۲۸-۱۸۸۶ء]

حکیم عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی [۱۸۲۸-۱۸۸۶ء] فارسی زبان کے پختہ مشق اور ممتاز شاعر گذرے ہیں۔ انہوں نے ایک بڑی زبردست مثنوی ''شمامہ مشام جاں افروز''، لکھی ہے، جو ۱۳۰۳ھ میں مطبع تہذیب آفاق مرادآباد سے شائع ہوئی ہے۔ اس کی منظوم تقریظ علامہ شبلی کا نتیجہ فکر ہے۔ علامہ شبلی نے اگرچہ اپنی دو انتہائی مشہور کتابوں (سیرۃ النعمان اور الفاروق وغیرہ) کا منظوم دیباچہ لکھا ہے، لیکن اپنے علاوہ کسی اور مصنف کی کتاب پر یہ ان کی واحد منظوم تقریظ ہے۔ اس لحاظ سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ادبی اور شاعرانہ لحاظ سے بھی یہ مثنوی لائق توجہ ہے۔
حکیم عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی کی سخن سنجی کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں:

عبد رحمٰن کہ جہان معنی ست
شاعر مرتبہ دان معنی ست

سخنے گفت وچہ خوش گفت نگر
خامہ اش تاچہ گہر سفت نگر

بردہ است از مدد فکر رسا
پایہ فن زکجا تابہ کجا

نظم اشعار چہ آراستہ است
زلف گفتار چہ آراستہ است

(نوادرات شبلی ص: ۱۹۴،۱۹۵)

عتبہ ابن ربیعہ

[۵۶۷-۶۲۴ء]

ابوالولید عتبہ ابن ربیعہ [۵۶۷-۶۲۴ء] کفار مکہ کا ایک سردار تھا جو جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔علامہ شبلی نے نظم ''مساوات اسلام'' میں اس کا ذکر یوں کیا ہے کہ جب یہ جنگ کے لئے میدان میں آیا اور مسلمانوں کی طرف سے تین جاں باز میدان میں آئے تو اس نے سب سے پہلے نام ونسب دریافت کیا اور یہ معلوم ہونے پر کہ ان کا تعلق انصار سے ہے لڑنے سے منع کر دیا۔ پھر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ میدان میں نکلے، جو حسب نسب میں اس کے مساوی تھے۔تب وہ معرکہ آرائی کے لئے تیار ہوا۔اسی طرح حضرت بلال حبشیؓ نے جب تزویج کا ارادہ کیا تو مدینہ منورہ میں کسی ایک شخص نے بھی انکار نہیں کیا۔یہ واقعات نظم کر کے علامہ شبلی مسلمانوں کو مساوات اسلامی کا بھولا ہوا سبق یاد دلانا چاہتے ہیں۔ان دونوں واقعات کو منظوم کرنے کے بعد ایک شعر میں مساوات اسلامی کے بارہ میں فرماتے ہیں:

یا یہ حالت تھی کہ تلوار بھی تھی طالب کفو
یا مساوات کا اسلام کے پھیلا یہ اثر

(کلیات شبلی اردو ص:۹۰،۹۱)

عثمان

[۰۰۰]

علامہ شبلی کی نظموں میں کئی مقامات پر لفظ ''عثماں'' باندھا گیا ہے۔اس سے مراد ترکی کی دولت عثمانیہ اور اس کے حکمراں ہیں۔اوپر ذکر آ چکا ہے کہ شاعر کو ترکوں سے بے پناہ تعلق تھا اور نوجوانی میں روس سے جنگ زمانہ میں ان کے لئے اعظم گڑھ سے چندہ کر کے قسطنطنیہ بھیجا۔علامہ شبلی کا یہ بھی خیال تھا کہ

زوال دولت عثماں زوال شرع وملت ہے

عزیز و فکر فرزند و عیال و خانماں کب تک

(کلیاتِ شبلی اردو ص:۱۲۰)

حضرت عثمان غنیؓ

[۵۷۶-۶۵۶ء]

خلیفہ سوم، ذوالنورین حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ [۵۷۶-۶۵۶ء] خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ان کی شخصیت تاریخ اسلام کی نہایت روشن جبیں ہے۔یہی وہ جاں نثار رسولؐ ہیں جنہوں نے ہر سرد و گرم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سائے کی طرح موجود رہے۔اور ہر موقع پر بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں جن کی بدولت آج ہمیں اسلام کی دولت سے سرفراز ہیں۔

علامہ شبلی کی شاعری میں جہاں خلفائے راشدین کا ذکر آیا ہے، وہاں بالعموم ذوالنورین یعنی حضرت عثمانؓ کا بھی نام آیا ہے۔حضرت عثمانؓ کو ذوالنورین اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو لخت جگر حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم یکے بعد دیگرے زوجیت میں آئیں۔''کلیاتِ شبلی'' کا ایک شعر یہ بھی ہے:

تو حدیث از جم ودارا بسرائی وآں جا

گفتگو از عمر وحیدر و عثماں باشد

یہ ''ترکیب بند دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس ۱۹۰۷ء'' کا ایک شعر ہے۔

(کلیاتِ شبلی فارسی ص:۱۰،۳۱)

میر عثمان علی خاں

[۱۸۸۶-۱۹۶۷ء]

حکومت آصفیہ فرخندہ بنیاد حیدر آباد سے علامہ شبلی [۱۸۵۷-۱۹۱۴ء] کے گوناگوں روابط

دم واپسیں تک قائم رہے۔حکومت آصفیہ حیدرآباد کی طرف سے انہیں وظیفہ دیا گیا اوران کی تمام تصنیفات سلسلہ آصفیہ میں داخل کی گئیں۔ بعدازاں علامہ شبلی ناظم سررشتہ علوم وفنون کے عہدہ پر فائز ہوئے۔۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۵ء تک وہ اس عہدہ پر فائز رہے۔ سررشتہ علوم وفنون اگرچہ شعبہ تعمیرات کے ذیل میں آتا تھا،لیکن اصلاً شعبہ علمی تھا۔اس سے مستعفی ہونے کے بعدان کا وظیفہ دوبارہ جاری کردیا گیا۔ یہ سب کچھ نظام حیدرآباد نواب میرمحبوب علی خاں[۱۸۶۸-۱۹۱۱ء] کے عہد میں ہوا۔ ان کی وفات کے بعد میرعثمان علی خاں[۱۸۸۶-۱۹۶۷ء]ان کے جانشین اور نظام حیدرآباد مقرر ہوئے۔ان کے زمانہ میں بدستور وظیفہ نہ صرف جاری رہا بلکہ اس میں ۱۰۰/ روپئے ماہوار کا اضافہ بھی ہوا۔ اورجوان کی وفات تک جاری رہا۔ بعداز وفات یہی وظیفہ دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کے نام منتقل ہوا۔البتہ سقوط حیدرآباد کے بعد یہ وظیفہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔اورامام الہند مولانا ابوالکلام آزاد [۱۸۸۸-۱۹۵۸ء] کی تمام ترکوششوں کے بعد بھی وہ دوبارہ جاری نہ ہوسکا۔سقوط حیدرآباد یا بھوپال کے بعدایسے بہت سے ادارے جوان حکومتوں اورریاستوں کی بدولت ملک وملت کی خدمت کررہے تھے وہ اپنا وجود کھو بیٹھے۔حصول آزادی سے ہم نے کیا پایا اورکیا گنوایا۔اب اس کے تحقیقی جائزہ کی ضرورت ہے۔

نواب میرعثمان علی خاں [۱۸۸۶-۱۹۶۷ء]حکومت آصفیہ کے آخری حکمراں تھے اور حیدرآباد پر قبضہ کے بہت بعد تک زندہ رہے۔جیسا کہ اوپرگذرا علامہ شبلی کی کتاب زندگی کا ایک اہم باب ذکرحیدرآباد ہے۔طوالت کے سبب تفصیلات سے گریز کیا جاتا ہے۔البتہ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی متعدد منظومات میں فرخندہ بنیاد حیدرآباد اوراہل حیدرآباد کا ذکرمحبت آمیزلہجہ میں کیا ہے۔ حیدرآباد پر توانہوں نے ایک مستقل نظم ''دکن'' کہی ہے۔ یہ ایک الگ ہی مطالعہ کا موضوع ہے۔قصیدہ تہنیت میں فرماتے ہیں:

مجلس تہنیت نو بر اقبال شہی است
میر عثمان علی زیب دہ نعمت ناز

گوہر تاج شہی ، زیور اورنگ دکن
آں ہمایوں دم و فرخ رخ واقلیم طراز
(کلیات شبلی فارسی ص:۳۳)

عذرا

[•••]

عذرا: فارسی ادب کا ایک کردار اور ایک عاشق زار، وامق کی محبوبہ، کلام شبلی میں اس کا بھی ایک جگہ نام آ گیا ہے۔

داستاں چند تواں کرد ز محمود وایاز
تا یکے خود سخن از وامق وعذرا ماند
(کلیات شبلی فارسی ص:۱٦)

عطیہ فیضی

[۱۸۷۷-۱۹٦۷ء]

عطیہ فیضی [۱۸۷۷-۱۹٦۷ء] ہندوستان کی پہلی ایسی مسلم خاتون تھیں جو حکومت کی اسکالرشپ پر جدید تعلیم کے لئے یورپ گئیں۔

عطیہ فیضی ترکی میں پیدا ہوئیں اور نوے سال کی عمر میں کراچی میں وفات پائی اور وہیں سلیمانی بوہروں کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ عطیہ فیضی ایک روشن خیال، مہذب، بے باک جہاں دیدہ خاتون تھیں۔ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں پر دسترس حاصل تھی اور ان دونوں زبانوں میں ان کے مضامین اور کتابیں شائع ہوئیں۔ بہت اچھی خطیبہ تھیں اور بڑے مدلل انداز میں خطاب کرتی تھیں۔ یورپ کی بعض یونیورسٹی میں خطبے دئے۔ فنون لطیفہ خصوصاً شعر وادب سے خاصی دلچسپی تھی۔ ان کے والد حسن علی [۱۸۳۸-۱۹۰۳ء]، والدہ امیر النساء امیرا [۱۸۴۹-

۱۹۰۸ء] اور بہنیں سب مہذب، تعلیم یافتہ اور'' ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کے مصداق تھیں۔ ہندوستان کے متعدد مشاہیر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال [۱۸۷۷-۱۹۳۸ء]، سر شیخ عبدالقادر [۱۸۷۴-۱۹۵۰ء] مدیر مخزن لاہور اور ایک روایت کے مطابق مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ سے ان کے گہرے روابط تھے۔ علامہ شبلی کے سفر قسطنطنیہ میں ان کے والد حسن علی آفندی سے روابط قائم ہوئے۔ بعد میں عطیہ بیگم فیضی اور ان کی بہنوں زہرا بیگم [۱۸۶۶-۱۹۴۰ء] اور نازلی رفیعہ بیگم [۱۸۷۴-۱۹۶۸ء] سب سے بے تکلفانہ روابط قائم ہو گئے جو علامہ شبلی کی وفات تک قائم رہے۔ ''خطوط شبلی'' کے مقدمہ میں بابائے اردو مولوی عبدالحق [۱۸۷۰-۱۹۶۱ء] نے ان روابط کو داغ دار کرنے کی کوشش کی۔ مولانا سید سلیمان ندوی [۱۸۸۴- ۱۹۵۳ء] کے ایک حریف محمد امین زبیری [۱۸۷۰- ۱۹۵۸ء] نے مدۃ العمر اس میں رنگ آمیزی کرتے رہے۔ راقم الحروف نے اس کا تفصیلی تجزیہ ماہ نامہ ایوان اردو دہلی [جون ۲۰۱۹ء] میں پیش کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ایک فرضی قصہ تھا، جسے علامہ شبلی کی شخصیت کو داغ دار کرنے ہی کے لئے گھڑا گیا تھا۔

عطیہ فیضی نے ایک یہودی نومسلم فیضی رحمین [۲/ اکتوبر ۱۹۶۴ء] سے جو ایک ماہر مصور اور نقاش تھے، ۵/ دسمبر ۱۹۱۲ء کو شادی کی۔ علامہ شبلی نے اس موقع پر چند اشعار انہیں بطور تحفہ بھیجے۔ یہ اشعار'' کلیات شبلی'' اردو میں شامل ہیں۔ اس کا ایک شعر یہ ہے:

بتان ہند کافر کرلیا کرتے تھے مسلم کو
عطیہ کی بدولت آج اک کافر مسلماں ہے

تعجب ہے ایسے موقع پر بھی علامہ شبلی کو ان کا اسلام یاد رہتا ہے۔ (کلیات شبلی اردو ص ۲۱۲)

کلیات شبلی فارسی میں عطیہ فیضی کی والدہ کا مرثیہ شامل ہے، جو اگرچہ بزبان زہرا بیگم ہے، تاہم اس میں بھی عطیہ فیضی کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ ایک غزل جو انہوں نے قلعہ جنجیرہ سے واپسی کے بعد کہی تھی اور جس میں نازلی بیگم اور نواب سر سیدی احمد کا ذکر ہے۔ اس میں عطیہ فیضی کا بھی ذکر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

کہاں یہ لطف، یہ منظر، یہ سبزہ، یہ بہارستان

عطیہ ! تم کو یاد لکھنو ہوگی تو کیوں ہوگی

(نوادرات شبلی ص:۲۱۸)

شاعری کے حوالہ سے عطیہ فیضی کا کئی مقامات پر ذکر آیا ہے۔عطیہ فیضی تحصیل علم کے لئے جب یورپ گئیں تو ان کو ایک وداعی نظم ''خدا حافظ'' بھیجی۔جو ان کے نام علامہ شبلی کے خطوط میں موجود ہے۔البتہ کلیات شبلی اس سے خالی ہے۔''خطوط شبلی'' میں دو قطعات بھی شامل ہیں اور دونوں فارسی کے بڑے عمدہ قطعات ہیں۔وہ بھی ''کلیات شبلی'' میں جگہ حاصل کرنے کا شرف نہ حاصل کر سکے۔جس طرح ''خطوط شبلی'' میں زہرا بیگم کے نام کے خطوط میں کثرت سے عطیہ فیضی کا ذکر ہے،اسی طرح ان کے نام کے قطعات میں بھی عطیہ کا بارہا نام آیا ہے۔علامہ شبلی کا اس طرح کا متفرق اور منتشر کلام راقم نے پہلے ''آثار شبلی'' اور پھر ''نوادرات شبلی'' میں یکجا کر دیا ہے۔طوالت کے خیال سے یہاں نمونہ درج کرنے سے احتراز کیا جا رہا ہے۔قارئین ان کتابوں کو خود ملاحظہ کر سکتے ہیں۔خاص طور پر ''آثار شبلی'' کا مطالعہ اسی طرح کرنا چاہئے،جس طرح علامہ شبلی نعمانی کی ضخیم سوانح عمری ''حیات شبلی'' از مولانا سید سلیمان ندوی۔اس لئے کہ ''آثار شبلی'' دراصل اس کا دوسرا حصہ اور تتمہ وتکملہ ہے۔جسے خود مولانا سید سلیمان ندوی لکھنا چاہتے تھے لیکن کاتب تقدیر نے اس کی تکمیل ان کے حصہ میں نہیں رکھی تھی۔

(آثار شبلی ص:۴۵۳،۴۵۴،۴۵۶)

جنرل عظیم الدین خاں

[قتل:۴/مارچ ۱۸۹۱ء]

جنرل عظیم الدین خاں نائب السلطنت ریاست رام پور کو ۴/مارچ ۱۸۹۱ء کو بڑی بے رحمی سے شہید کر دیا گیا تھا۔علامہ شبلی اس واقعہ سے بے حد متاثر ہوئے اور ان کا بڑا پر درد مرثیہ بھی لکھا،جو پہلے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں شائع ہوا۔اب کلیات شبلی فارسی میں بھی شامل ہے۔

در ماتم خان اعظم الدین

جز قصہ خوں چکاں نگویم
آہ از غم ایں چنیں امیرے
شیر افگن وشیر وشیر گیرے

یہ مرثیہ دراصل ان کی قوم پرستی اور قومی ہمدردی کا ایک نمونہ ہے۔اس سلسلہ میں انہوں نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے ایڈیٹر کو جو خط لکھا ہے، وہ ان کی بے حد اہم تعزیتی تحریر ہے۔ یہ مرثیہ اور خط دونوں راقم کی مرتبہ کتاب ''علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں'' میں شامل کیا گیا ہے۔ جسے مکتبہ دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ نے گذشتہ سال ۲۰۱۹ء میں شائع کیا ہے۔

(کلیات شبلی فارسی ص: ۴۰، ۴۱)

حضرت علیؓ ابن ابی طالب

[۶۰۱-۶۶۱ء]

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ [۶۰۱-۶۶۱ء] کرم اللہ وجہہ تاریخ اسلام کے ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں، جن سے اسلام کی عظمت وتوقیر قائم ہے۔اور ان کی ذات آج بھی نہ صرف شجاعت وبہادری کا اعلیٰ نمونہ ہے، بلکہ زہدوورع اور تقوی وطہارت وپاکیزگی میں بھی عدیم النظیر ہے۔متعدد جنگوں میں شریک رہے اور بڑی بہادری اور اولوالعزمی سے داد شجاعت دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔کم سنوں میں سب سے پہلے ایمان یہی لائے۔شجاعت، دلیری اور بہادری اور اعلی حوصلگی کا ایک نمونہ تھے۔ شیر خدا اور حیدر کرار کے لقب سے بھی پکارے جاتے ہیں۔علم وفہم، سنجیدگی، متانت اور تدبر وتفکر میں بھی اعلیٰ اور بے نظیر تھے۔ تاریخ اسلام کے مشہور معرکوں میں شریک رہے اور مثالی داد شجاعت دی۔جس سے تاریخ اسلام کے صفحات روشن ہیں۔ایک نالائق اور بد بخت ابن ملجم نے مسجد میں نماز فجر کے وقت آپ پر حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔ یہی زخم شہادت کا باعث ہوئے۔ علامہ شبلیؒ نے اپنی شاعری میں ایک جگہ علیؓ اور بقیہ جگہوں پر ''حیدر'' سے مخاطب کیا ہے۔علامہ شبلی کی زندگی کی آخری

نظم ''اہل بیت رسولؐ کی زندگی'' ہے۔جس کا آغاز اس شعر سے ہوا ہے:

افلاس سے تھا سیدہ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا

ان حالات میں اطلاع ملی کہ رسول پاکؐ کے پاس کچھ غلام آئے ہیں۔ایک غلام کے لئے حضرت فاطمہ زہراؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئیں، مگر وہاں بہت سے لوگ تھے اس لئے اپنی بات نبی پاکؐ سے نہ کہہ سکیں اور لوٹ آئیں۔دوسرے دن گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل آنے کا سبب پوچھا تو کچھ کہہ نہ سکیں۔حضرت علیؓ نے بات مکمل کی:

غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
حیدر نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا

مکمل واقعہ کے لئے پوری نظم ''کلیات شبلی'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

(کلیات شبلی اردو ص: ۸۶-۹۱-۱۸۸)

فارسی شاعری میں بھی دو مقامات پر ذکر حیدرؓ ہے۔ایک جگہ علامہ شبلی نے افسوس کیا ہے کہ لوگ قیصر جیسے دنیاداروں کے کارناموں کو بیان کرتے ہیں، حالانکہ ان سے کہیں زیادہ روشن حضرت عمرؓ، حضرت علی حیدرؓ اور حضرت عثمانؓ ابن عفان کے کارنامے ہیں۔

(کلیات شبلی فارسی ص: ۱۰، ۳۱)

حضرت عمرؓ فاروق

[۵۸۴-۶۴۴ء]

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ فاروق اعظم [۵۸۴-۶۴۴ء] کا ذکر مبارک علامہ شبلی کی شاعری میں بہ کثرت آیا ہے۔بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کے بعد سب سے زیادہ انہیں کا

ذکر واذکار خیر ان کی شاعری کا حصہ ہے۔ کہیں فاروق، کہیں فاروق اعظم، کہیں عمرؓ اور کہیں عمر ابن خطاب وغیرہ نام علامہ شبلی نے اپنے اشعار میں باندھے ہیں۔ اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ علامہ شبلی کے ذہن، دل ودماغ اور وجدان پر فاروق اعظمؓ کے کوکبہ جلال کے اثرات ہمیشہ اور ہمہ وقت نقش رہے۔ یہاں یہ بات بھی کہنے کو جی چاہتا ہے کہ شاعری میں فاروق اعظمؓ کا ذکر لاکھ عمدہ سہی اور بار بار سہی، مگر ''الفاروق'' کی خوب صورت، پاکیزہ اور کوثر و تسنیم سے ڈھلی ہوئی نثر کا آج بھی کوئی جواب نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت سے چالیس برس پہلے پیدا ہوئے۔ بعثت نبویؐ کے چھٹے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مختلف النوع کمالات کے جامع تھے۔ عہد نبویؐ میں کئی بار اسلامی فوج کے سپہ سالار رہے۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ انہیں کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ فاروق اعظمؓ کی کشور کشائی سارے عالم میں مشہور ہے۔ تمام بڑے اہل قلم اور سیاسیات پر گہری نظر رکھنے والوں نے ان کے طرز حکومت کو سراہا ہے۔ فلسفہ عدم تشدد کے خالق گاندھی جی [۱۸۶۹-۱۹۴۸ء] نے بھی حضرت عمر فاروقؓ کی حکمرانی کو نمونہ قرار دیا ہے۔

علامہ شبلی نے حضرت بلالؓ کے سانحہ وفات پر فاروق اعظم کے جذبات واحساسات کی اس طرح ترجمانی کی ہے۔ فرماتے ہیں:

عہد فاروقی میں جس دن کہ ہوئی ان کی وفات
یہ کہا حضرت فاروق نے بادیدہ تر
اٹھ گیا آج زمانے سے ہمارا آقا
اٹھ گیا آج نقیب حشم پیغمبر

علامہ شبلی کی ایک اور بہت مشہور نظم ہے ''خلافت فاروقی کا ایک واقعہ''۔ اس میں ان کے عہد خلافت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کو نظم کیا گیا ہے۔ ایک شب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ گشت پر نکلے۔ تو انہیں ایک گھر سے رونے کی آواز سنائی دی۔ جا کر دیکھا تو ایک خاتون

دیگچی چولہے پر چڑھا کر بیٹھی ہیں اوران کے بچے رورہے ہیں۔خاتون سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بچے بھوکے ہیں اور گھر میں کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔انہیں بہلانے کے لئے چولہے پر پانی چڑھا رکھا ہے۔پھر کیا ہوا:

بے اختیار رونے لگے حضرت عمرؓ
بولے کہ یہ میرے ہی کئے کا وبال تھا

پھر خلیفہ وقت کھانے کا سامان لایا۔خود چولہا پھونک کر کھانا تیار کیا اور جب بھوکے بچوں نے کھانا کھا لیا تب اطمینان کا سانس لیا۔اس خاتون نے جس کو یہ معلوم نہ تھا کہ خلیفہ وقت اس کے پاس موجود ہے اور اسی نے کھانا تیار کر کے بچوں کو کھلایا ہے، فرمایا:

عہدہ عمرؓ کو یہ جو ملا تجھ سے چھین کر
جو کچھ گذر رہا ہے یہ اسی کا وبال تھا

پھر بھی فاروق اعظمؓ نے یہ نہیں بتایا کہ میں ہی خلیفہ ہوں۔یہی سبب ہے کہ فاروق اعظمؓ کے کوکبہ جلال سے کسی کو سیری نہیں ہوتی۔

علامہ شبلی کی ایک اور نظم ''عدل فاروقی کا ایک نمونہ'' بہت مشہور ہے۔اس سے ارباب علم و ادب بخوبی واقف ہیں۔اس میں کثرت سے حضرت فاروق اعظمؓ کا ذکر آیا ہے۔البتہ ایک اور نظم ''اظہار وقبول حق'' ہے، جس کا نسبتاً کم ذکر ہوتا ہے۔لیکن چونکہ اس کا تعلق ایک انتہائی اہم موضوع سے ہے، اس لئے یہاں نقل کی جاتی ہے:

وارث عدل پیمبر عمرؓ ابن الخطاب
ہیچ تھی جن کے لئے منزلت تاج و سریر
مجمع عام میں لوگوں سے انہوں نے یہ کہا
مہر باندھو نہ زیادہ کہ ہے یہ بھی تبذیر
جس قدر تم کو ہو مقدور وہیں تک باندھو
حکم یہ عام ہے سب کو امرا ہوں کہ فقیر

ایک بڑھیا نے وہیں ٹوک کے فوراً یہ کہا
تجھ کو کیا حق ہے جو تو کرتا ہے ایسی تقریر
صاف قرآن میں قنطار کا لفظ آیا ہے
تجھ کو کیا حق ہے کہ اس لفظ کی کردے تغییر
لاکھ تک بھی ہو تو کہہ سکتے ہیں اس کو قنطار
تھا یہ اک وزن کہ اس وزن کی یہ ہے تعبیر
سرنگوں ہو کے کہا حضرت فاروق نے آہ!
میں نہ تھا اس سے جو واقف تو یہ میری تقصیر

(کلیات شبلی اردو ص: ۸۰، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۱۰۱، ۱۰۹)

علامہ شبلی کے اردو کلام میں فاروق اعظم کا کثرت سے ذکر آیا ہے، تاہم ان کا فارسی کلام بھی ذکر عمرؓ سے خالی نہیں۔ یہ شعر دیکھیں:

از ابوبکر و عمر ہیچ بہ یادت ناید
گرمی بزم تو از سیزر اعظم باشد

ایک اور فقہی بحث پر شاعری ملاحظہ ہو:

مجلسی از فقہا بود در آں جا وبہم
بحث از متعہ ہمی رفت وہم از قول عمرؓ

(کلیات شبلی فارسی ص: ۱۰، ۲۱، ۳۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

[۶۸۲-۷۲۰ء]

خلیفہ راشد و عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ [۶۸۲-۷۲۰ء] ۷۱۷ء سے ۷۲۰ء تک مسند خلافت پر متمکن رہے اور اپنے عدل وانصاف، رعایا پروری اور عدل گستری سے دور خلافت

راشدہ کی دلوں میں اس طرح یاد تازہ کردی تھی کہ گویا پچھلا زمانہ لوٹ آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ذکر تاریخ اسلام میں نہایت تقدس اور ادب واحترام سے کیا جاتا ہے۔ علامہ شبلی نے ان کے عدل وانصاف پر ایک مستقل نظم ''خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا انصاف'' کہی ہے۔ پوری نظم تاثیر وتاثر میں ڈوبی ہوئی ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا آخری شعر سن کر آپ سمجھ جائیں گے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عدل وانصاف کیسا تھا اور علامہ شبلی نے کیوں کر انہیں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

بے کسوں کو میں ستاؤں کیوں کر
مجھ کو دینا ہے قیامت میں جواب

جس شخص کے پیش نظر یہ حسن خیال ہو وہی عدل وانصاف کا دربار سجا سکتا ہے۔

علامہ شبلی کے مایہ ناز شاگرد اور نامور ادیب وانشاپرداز اور مصنف ومحقق مولانا عبدالسلام ندوی [۱۸۸۳-۱۹۵۸ء] نے ان کی بڑی معرکہ آراء سوانح عمری ''سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ'' کے نام سے لکھی ہے جو دارالمصنّفین اعظم گڑھ سے شائع ہوتی رہتی ہے۔

(کلیات شبلی اردو ص:۱۰۹)

عنصری بلخی

[۹۸۰-۱۰۳۹ء]

مشہور فارسی شاعر حکیم ابوالقاسم حسن بن احمد عنصری بلخی [۹۸۰-۱۰۳۹ء] جو بلخ میں پیدا ہوا۔ سلطان محمود غزنوی کے بھائی نے اسے غزنی بلا لیا۔ خود سلطان محمود کی بھی انہیں خاص توجہ حاصل رہی۔ اس نے عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دیا۔ عنصری نے غزنی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوا۔ تاریخ ادب میں عنصری بلخی کے نام سے مشہور ہے۔ یوں تو عنصری نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، لیکن اس کا بڑا شعری سرمایہ محمود غزنوی کی شان میں کہے گئے قصیدوں پر مشتمل ہے۔ علامہ شبلی نے سرسید کے فرزند سید محمود کی شادی کے موقع پر کہے گئے

اشعار میں اسی نسبت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

میں بھی ہوں عنصری وقت جو محمود ہے تو
میں بھی ہوں ناز سلف تو ہے اگر فخر اول

(کلیاتِ شبلی اردو ص:۴۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

[•••]

مشہور پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو حضرت مریم کے بیٹے تھے اور جنہیں عیسائی اپنا نبی مانتے ہیں، لیکن ان کی زندگی میں ان کی ایک نہ مانی۔ حتیٰ کہ ان کی لائی ہوئی کتاب میں تحریف بھی کر ڈالی اور صلیب بھی دی۔

مسلمان انہیں اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں میں ایک نبی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیا میں ابھی ایک بار پھر ان کا ظہور ہوگا۔ اس کے بعد ہی دنیا کا خاتمہ ہوگا اور قیامت آئے گی۔ علامہ شبلی کے کئی اشعار میں ان کا ذکر آیا ہے۔ کہیں عیسیٰ اور کہیں مسیح کے نام سے۔ ان کا معجزہ مسیحائی تھا۔ چنانچہ ان مسیحائی کا ذکر بھی ہماری شاعری کا ایک بڑا اہم حصہ ہے۔ بہت سے شعرا نے ان کی مسیحائی کو اپنے کلام میں جگہ دی ہے۔ علامہ شبلی نے بھی ایک جگہ اسی حیثیت کو اجاگر کیا ہے:

بسکہ رنجوری ایں خستہ زتیمار گذشت
عیسیٰ آخر ز علاج دل بیمار گذشت

قرآن مجید میں ان کا کثرت سے ذکر ہے۔ مذکورہ بالا باتیں دراصل قرآن مجید ہی سے ماخوذ ہیں۔

(کلیاتِ شبلی اردو ص: ۴۲،۲۸۔ کلیاتِ شبلی فارسی ص: مسیح ۹، ۸۰)

امام غزالیؒ

[۱۰۵۸-۱۱۱۱ء]

ابو حامد محمد بن محمد غزالی [۱۰۵۸-۱۱۱۱ء] ایک عظیم فلسفی کی حیثیت سے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ وہ نہ صرف فلسفہ میں بے نظیر تھے بلکہ حکمت کے ساتھ علوم اسلامی، فقہ، علم الکلام کے بھی نادرہ عصر عالم و محقق تھے۔ ''احیاء علوم الدین''، ''تہافتہ الفلاسفہ'' اور ''کیمیائے سعادت'' ان کی عالم گیر شہرت یافتہ تصنیفات ہیں۔ چونکہ انہوں نے اسماعیلیوں اور نوافلاطونیوں کے بڑے مدلل اور مسکت جوابات دئے اس لئے انہیں ''حجتہ الاسلام'' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

وہ ایران کے شہر طوس میں پیدا ہوئے۔ انتہائی محنت سے تحصیل علم کیا اور نابغہ روزگار قرار پائے۔ فلسفیوں کے اعتراضات کے انتہائی مدلل اور مسکت جوابات دئے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں بڑی شہرت و مقبولیت ملی۔

امام غزالیؒ کی عظمت و شہرت عالم اسلام سے نکل کر یورپ جا پہنچی اور یورپ ایک عرصہ تک ان کی کتابیں اور ان کے علوم پڑھتا پڑھاتا رہا۔ علامہ شبلی نے اپنے ایک قصیدہ میں جو ۱۸۹۴ء میں پڑھا گیا تھا۔ اس میں جہاں مسلمانوں کی علمی ترقی و برتری اور فضیلت کا ذکر کیا ہے، وہاں اور بہت سے مشاہیر اسلام کے ساتھ امام غزالیؒ کے علوئے مرتبہ کو بھی بیان کیا ہے۔

روشنی علم کی پھیلائی تھی پہلے ہم نے
ورنہ چھایا تھا زمانے میں اندھیرا کیسا
اب بھی لندن میں غزالی کی ہے شہرت کیسی
اب بھی جرمن میں ہے بونصر کا چرچا کیسا
روم و اٹلی کے مدرسے میں کئی صدیوں تک
تھا سند فلسفہ بوعلی سینا کیسا

(کلیات شبلی اردو ص: ۷۷)

امام غزالیؒ کے مفصل حالات اور ان کے عظیم الشان کارناموں کے مطالعہ کے لئے علامہ

شبلی کی معرکۃ الآراء کتاب ''الغزالی''، مطبوعہ دارالمصنّفین اعظم گڑھ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت فاطمہ زہراؓ

[۶۰۴-۶۳۲ء]

سیدہ فاطمہ زہراؓ [۶۰۴-۶۳۲ء] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری صاحبزادی تھیں۔سیدہ اور بتول ان کے لقب ہیں۔انہیں جنت کی شہزادی بھی کہا جاتا ہے۔ایک حدیث کے مطابق حضرت فاطمہ زہراؓ جنت میں خواتین کی سردار ہوں گی۔ان کا نکاح حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے ہوا تھا۔حضرات حسنینؓ انہی کی اولاد تھے۔۲۵/سال کی کم عمری میں وفات پائی۔علامہ شبلیؒ نے آپ کی ذات اور سیرت پر ایک بہت ہی خوب صورت نظم لکھی ہے۔جس کا نام ہے ''اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی'' ہے۔یہ علامہ شبلی نعمانی کی زندگی کی آخری نظم ہے۔اثر انگیزی کے لحاظ سے ایک مثالی نظم تو ہے ہی، ہمارے شعری ذخیرہ میں دینی شاعری کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ بھی ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

افلاس سے تھا سیدہ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا

گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا

سینہ پہ مشک بھر کے جولاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا

یوں کی ہے اہل بیت مطہر نے زندگی

یہ ماجرائے دختر خیرالانام تھا

(کلیات شبلی اردو ص:۸۶-۸۷-۸۸)

فرحت احمد

[•••]

فرحت احمد کے بارے میں کسی قسم کی معلومات نہ مل سکیں۔حالانکہ وہ بقول ڈاکٹر خالدندیم صاحب وہ علامہ شبلی کے چچازاد بھائی تھے۔(اردو ترجمہ مکاتیب شبلی ص۴۹)

لیکن اس بات کی تصدیق کسی اورحوالہ سے نہیں ہوسکی۔راوت رضی احمد چودھری نے ''تاریخ بندول'' میں جوشجرہ نسب دیا ہے،اس سے بھی تصدیق نہیں ہوئی۔

علامہ شبلی سے ان کے منجھلے بھائی مہدی حسن بیرسٹر نے فرحت احمد کے بھتیجے کی پیدائش پر تاریخ کی فرمائش کی تھی۔چنانچہ علامہ شبلی نے ایک خط میں دوتاریخی قطعات لکھ کر بھیجے۔یہ تاریخی قطعات'' مکاتیب شبلی'' جلداول [ص۴۷] میں درج ہیں۔اسے اس لئے یہاں نقل کیا گیا ہے تاکہ اس سے علامہ شبلی نعمانی کے تاریخی قطعات کہنے کا ایک پوشیدہ پہلو بھی سامنے آجائے گا۔

مرحبا مرحبا لمولود کہ بود بادہ ایاغ کمال
باز در پیش گاہ بزم وجود گشت روشن ازو چراغ کمال
مردم دیدہ ہنر فرحت کہ تواں یافت زو سراغ کمال
سال تاریخ را چو امر نمود گفت شبلی بہار باغ کمال

(آثار شبلی ص۴۵۳)

فرحت احمد کے نام مکاتیب شبلی میں علامہ شبلی کا ایک فارسی خط بھی شامل ہے۔اس سے ان کے احوال کی وضاحت تو نہیں ہوتی،لیکن قربت کا اندازہ ضرور ہوتا ہے۔یہ خط بھی بہت دلچسپ ہے۔اس لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مبارک ہو۔خدا کا شکر ہے کہ تمہارا چھوٹا بھائی مہدی حسن ایف اے میں

کامیاب ہوگیا ہے۔کیا ہی اچھا ہوتا کہ جیسے ہی میں علی گڑھ پہنچتا،تم وہاں پہنچ چکے ہوتے۔میری آمد کی خبر سنتے ہی دوڑے چلے آتے۔خوشی کے مارے تمہارے منہ سے بات نہ نکل رہی ہوتی۔تمہارے دل کی حالت تمہارے تبسم سے ظاہر ہوتی اور پھر بے ساختہ تمہارے منہ سے نکلتا کہ بھائی مہدی حسن پاس ہوگیا۔تم تیزی سے دوتین قدم آگے بڑھتے اور میرے سینے سے لگ جاتے اور پوچھتے کہ ہاں (مہدی کے) پاس ہونے پر میری مٹھائی کہاں ہے؟ میں کہتا کہ تمہارے ہونٹوں پر، پھر دوستوں کی مجلس آراستہ ہوتی اور خوب گپ شپ ہوتی۔خدایا! ایسا ہی ہو۔ایک بار پھر مبارک باد (اردو ترجمہ مکاتیب شبلی،ص۴۹)

علامہ شبلی کے فارسی خط کا یہ اردو ترجمہ ڈاکٹر خالد ندیم صاحب صدر شعبہ اردو اور مشرقی زبان یونیورسٹی آف سرگودھا کے قلم سے ہے۔اس خط سے مکتوب نگار علامہ شبلی اور مکتوب الیہ فرحت احمد کے درمیان انتہائی قربت اور بہت بے تکلفی کا اندازہ ہوتا ہے۔اس کے علاوہ فرحت احمد کا کہیں اور ذکر نہیں ملتا ہے۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری

[م:۶رفروری ۱۸۸۷ء]

شیخ الادب مولانا فیض الحسن سہارن پوری [م:۶رفروری ۱۸۸۷ء] علامہ شبلی نعمانی کے استاذ تھے۔ان سے علم وادب کی تحصیل کے لئے انہوں نے لاہور کا سفر کیا۔اورینٹل کالج لاہور میں پڑھنے کا وقت نہیں ملا تو گھر سے کالج کی راہ ان کی درس گاہ قرار پائی۔ بلاشبہ علامہ شبلی نے ان سے محنت اور مشقت سے تعلیم حاصل کی اور یہ بھی شبہہ سے بالاتر ہے کہ استاذ نے بھی انتہائی محبت سے پڑھایا۔یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی کو اپنے اساتذہ میں ان سے بڑی عقیدت تھی۔ان کے انتقال کی خبر عین درس میں ملی تھی۔چنانچہ علامہ شبلی بے حد رنجیدہ ہوگئے اور درس موقوف کر دیا اور اسی عالم رنجیدگی میں ان کا مرثیہ لکھا جو درد واثر میں ڈوبا ہوا ہے۔یہ مرثیہ فارسی کلیات میں

شامل ہے۔اس کا ایک بند ملاحظہ ہو:

دریں آشوب غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم　　جہانے را جگر خوں شد ہمی تنہا نہ من گریم
بہ تحسین صبوری چند بہ فریبے مرانا صح　　دمے بگذار تا در ماتم فیض الحسن گریم
بہ مرگش علم وفن در نالہ ہا من ہم نوا باشد　　ہنر بر خویشتن گرید چو من بر خویشتن گریم
گہے بے خود بہ برہم گشتن کار ہنر نالم　　گہے بے خویش بر روز سیاہ علم وفن گریم

(کلیات شبلی فارسی ص:۳۸،۳۹)

قیصر:

[•••]

قیصر: روم و یونان کے بازنطینی بادشاہوں کا لقب تھا۔اردو میں اکثر شعراء کشور کشائی کے لئے قیصر اور اس کے کارناموں کو یاد کرتے ہیں اور اسے اپنے اشعار میں باندھتے رہے ہیں۔علامہ شبلی کے اردو و فارسی دونوں کلام میں جا بجا قیصر کا نام مذکور ہے۔مثنوی ''صبح امید'' کا ایک شعر ہے:

گل کردئے تھے چراغ جس نے
قیصر کو دئے تھے داغ جس نے

علامہ شبلی کے فارسی کلام میں قیصر کا تذکرہ متعدد مقامات پر آیا ہے۔حوالہ میں ان صفحات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

(کلیات شبلی اردو ص:۲۷،۶۴۔کلیات شبلی فارسی ص:۲،۹،۲۹،۳۱،۵۸)

کسریٰ

[•••]

قیصر کی طرح کسریٰ کا ذکر بھی کلام شبلی میں متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے۔ بلکہ اہل قلم اور مصنّفین قیصر و کسریٰ ایک ساتھ لکھتے رہے ہیں۔کسریٰ فارس یعنی ایران قدیم کے بادشاہوں کا

لقب تھا۔ یہ خسرو کا معرب بھی ہے۔ اور خسرو ہی سے خسروی بنایا گیا ہے۔ مثنوی ''صبح امید'' کا ایک شعر ہے:

تھے جس پہ نثار فتح و اقبال
کسریٰ کو جو کر چکی تھی پامال

ایک قصیدے کا یہ شعر بھی قابل ذکر ہے:

ڈال دی کشور ایراں میں جو ہم نے ہلچل
گر پڑا خاک پہ تاج سر کسریٰ کیسا

(کلیات شبلی اردو ص: ۷۶،۲۷)

ایک شعر فارسی کا بھی ملاحظہ فرمالیں:

رمح او بود کہ تاج از سر قیصر بر بود
تیغ او بود کہ شد بادل کسریٰ ہمراز

(کلیات شبلی فارسی ص۲)

کیخسرو

[•••]

علامہ شبلی کے کلام میں کیخسرو کا نام دوبار آیا ہے۔ ۱۹۰۷ء میں ندوۃ العلماء لکھنو میں انہوں نے جو ترکیب بند پیش کیا تھا، کیخسرو کا ذکر اسی ترکیب بند میں دوجگہ آیا ہے۔

اے کہ نیرنگ سرا پردہ عالم دیدی
جاہ کیخسرو و فر حشم جم دیدی

تو حدیث از جم و کیخسرو و دارا گوئی
سخن آں جا ز مسیح و ز سلیماں باشد

(کلیاتِ شبلی فارسی ص:۹)

گلیڈ اسٹون

[۱۸۰۹-۱۸۹۸ء]

ولیم گلیڈ سٹون(William Gladstone.1809-1898) برطانوی وزیراعظم جو چار بار وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوا۔آخری بار وہ ۸۲ر سال کی عمر میں وزیراعظم بنا تھا۔اس کے حامی اسے گرینڈ اولڈ مین (Grand old man)اور سیاسی حریف (Gods only mistake) ''خدا کی واحد غلطی'' کہتے تھے۔اس نے اپنی تقریروں میں ترکی کے نقطہ نظر کی شدید مخالفت کی تھی۔علامہ شبلی نعمانی نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری [۱۸۸۰- ۱۹۳۶ء] کے طبی وفد کی واپسی پر جو خیر مقدم لکھا ہے،اس میں گلیڈ سٹون کا نام لیا گیا ہے اور کیسے عمدہ اشعار کہے ہیں؟۔ یہاں دو شعر نقل کئے جاتے ہیں۔

گھروں کو لوٹنے کے بعد زندوں کوجلا دینا
بلادِ مغربی کے یہ نئے قانوں بھی دیکھے ہیں
مسلمانوں کا قتل عام اور ترکوں کی بربادی
نتائج ہائے امید گلیڈسٹوں بھی دیکھے ہیں

(کلیاتِ شبلی اردو ص:۱۲۴)

لارڈ لٹن

[۱۸۳۱-۱۸۹۱ء]

لارڈ ایڈورڈ رابرٹ،لٹن(Lord Edward Robert Lytton,1831-1891) گورنر جنرل آف انڈیا۔علم دوست خیال کیا جاتا تھا۔علی گڑھ کالج میں ایک لائبریری بھی اس کے نام سے منسوب تھی۔جس کا سنگ بنیاد اسی کے ہاتھوں ۱۸۷۷ء میں رکھا گیا تھا۔لٹن لائبریری

اسٹریچی ہال سے متصل ایک ہال اور پانچ کمروں پر مشتمل تھی۔آزادی کے بعد ڈاکٹر ذاکرحسین سابق صدر جمہوریہ کی کوشش سے مسلم یونیورسٹی میں ایک نئی عمارت کی تعمیر کے لئے ۱۷ لاکھ روپئے حکومت نے منظور کئے۔اس سے جو سات منزلہ خوب صورت عمارت تعمیر ہوئی اور جس کا افتتاح ۶ ردسمبر ۱۹۶۰ء کو اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو[۱۸۸۹-۱۹۶۴ء] نے کیا اور ملک کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد[۱۸۸۸-۱۹۵۸ء] کے نام پر اس کا نام مولانا آزاد لائبریری رکھا گیا۔لٹن لائبریری اسی میں ضم کردی گئی۔علامہ شبلی کی مثنوی ''صبح امید'' میں جہاں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے قیام اور سنگ بنیاد کا ذکر آیا ہے،اس میں لارڈ لٹن کا بھی ذکر ہے اور وہ اس تقریب سنگ بنیاد میں شریک تھا۔علامہ شبلی نے اس موقع پر اس کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ''یورپ نے علوم وفنون میں جو ترقی حاصل کی ہے،اس کا سہرا عربوں کے سر ہے اور میں یہ سنگ بنیاد رکھ کر اس کا کچھ حق ادا کر رہا ہوں''۔علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں۔

تھا لارڈ لٹن جو صدر محفل
فرزانہ و ہوش مند و عاقل
بنیاد کے سنگ اولیں کو
رکھا تو کہا کہ اے عزیزو!
گو سرور انجمن ہے یورپ
سر چشمہ علم و فن ہے یورپ
بایں ہمہ جاہ و شوکت وفر
ہے اہل عرب کا سایہ پرور
سیکھے ہیں اصول فن ان ہی سے
لی ہے روش سخن ان ہی سے
ہوں جو آج میں شریک محضر
رکھتا ہوں جو اس بنا کا پتھر

مقصود یہ ہے یہ چاہتا ہوں
اس حق سے کسی قدر ادا ہوں
(کلیات شبلی اردو ص:۵۴)

نواب میر محبوب علی خاں

[۱۸۶۶-۱۹۱۱ء]

نواب میر محبوب علی خاں [۱۸۶۶-۱۹۱۱ء] نظام حیدرآباد کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ان کا شمار حیدرآباد کے محبوب حکمرانوں میں ہوتا ہے۔وہ عدل وانصاف اور رعایا پروری کے لئے بہت مشہور تھے۔خاص طور پر علم دوستی اور معارف پروری ان کے مزاج میں شامل تھی۔انہی کے زمانہ حکومت میں علامہ شبلی سرسید کے ساتھ حیدرآباد گئے۔انہی کے زمانہ میں انہیں وظیفہ ملا اور ان کی تصنیفات الفاروق وغیرہ سلسلہ آصفیہ میں داخل ہوئیں اور پھر انہی کے عہد حکومت میں علامہ شبلی ناظم سررشتہ علوم وفنون کے عہدہ پر فائز ہوئے۔غرض گوناگوں معاملات تھے۔ان کا ذکر اردو و فارسی شاعری میں متعدد جگہ آیا ہے۔۱۸۹۱ء کے پہلے سفر حیدرآباد کے منظوم حالات میں ذکر تو ہے ہی میر محبوب علی خاں کے جانشین میر عثمان علی خاں کے لئے جو قصیدہ کہا ہے، اس میں بھی ان کا ذکر خیر ہے۔

داور داد گر خسرو اقلیم دکن
میر محبوب علی خاں کہ بود عرش وقار

لیکن ان کے بارے میں علامہ شبلی کے اصل خیالات نواب صاحب کی وفات پر لکھی گئی وفیاتی تحریر سے معلوم ہوتے ہیں، جو ماہ نامہ الندوہ لکھنو میں شائع ہوئی تھی اور اب راقم کی تالیف ''علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں'' میں شامل ہے۔اس کتاب کو دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ نے نہایت اہتمام سے گذشتہ سال شائع کیا ہے۔علامہ شبلی لکھتے ہیں:

''حضور نظام تیموریوں کی شان وشوکت، دریادلی وفیاضی، عفوو بردباری

عزم واستقلال کے مجسم پیکر تھے۔ تیموریوں کے بہت سے آداب وآئین جو ہم تاریخوں میں پڑھتے ہیں اور جن کی صحیح تصویر ہمارے ذہن میں نہیں آتی، حضور نظام کے آداب سلطنت اور نظام حکومت سے صاف سمجھ میں آجاتے تھے۔ حلم وعفو کا یہ حال تھا کہ جولوگ بوجوہ خاص معتوب ہوتے اور الگ کئے جاتے تھے، ان کے بھی بیش قرار وظائف مقرر ہوجاتے تھے۔ تمام عمر میں ایک شخص کی بھی روزی بند نہیں کی۔ ہندوستان میں جس قدر درس گاہیں ہیں سب ان کے دست کرم کی ممنون ہیں۔ ملک میں جس قدر مشاہیر ارباب تصنیف ہیں سب انہیں کے خوان فیض سے بہرہ یاب ہیں۔ شہسواری، نشانہ بازی، قدراندازی، سپہ گری میں ان کا جواب نہ تھا۔......... اکبر کی بے تعصبی جہاں گیر کی رنگین مزاجی، شاہ جہاں کی شوکت، عالم گیر کے استقلال نے مل کر ایک قالب اختیار کرلیا تھا۔'' (علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں ص ۷۴-۷۵)

(کلیات شبلی فارسی ص: ۱۴، ۴۴۳۔ آثار شبلی ص ۴۵۲)

نواب محسن الملک

[۱۸۳۷-۱۹۰۷ء]

مولوی سید مہدی علی خاں، محسن الدولہ نواب محسن الملک [۱۸۳۷-۱۹۰۷ء] علامہ شبلی کے انتہائی گہرے دوستوں میں تھے۔ جو مدۃ العمر قائم رہے۔ اصلاً سرسید احمد خاں کے دست راست تھے۔ تحریک علی گڑھ کی ابتدا سے ان کے ہر کام میں بڑھ کر معاون ہوتے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ ایم اے او کالج علی گڑھ اور سرسید کی دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح سے مدد کرتے تھے۔ سرسید کو بھی ان پر بڑا اعتماد تھا۔ علامہ شبلی نے ۱۸۸۵ء میں مثنوی ''صبح امید'' لکھی۔ اس میں سرسید احمد خاں کے دونوں رفقاء نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک [۱۸۴۱-۱۹۱۷ء] جو سرسید کی وفات کے بعد ایم اے او کالج میں ان کے جانشین منتخب ہوئے، کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ اورنواب

صاحب کو حقیقت لکھا ہے:

وہ نکتہ ور حقیقت آگاہ
یعنی مہدی علی ذی جاہ

(کلیات شبلی اردو ص:۴۳)

راقم الحروف نے علامہ شبلی اور نواب محسن الملک کے تعلقات پر ایک مفصل مقالہ لکھا ہے جو ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ میں دسمبر ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا ہے۔اور زیر طبع نئے مجموعہ مقالات ''نقوش شبلی'' میں شامل ہے۔

محمد اسحاق وکیل

[م:۱۲؍اگست ۱۹۱۴ء]

علامہ شبلی کے منجھلے بھائی محمد اسحاق [م:۱۲؍اگست ۱۹۱۴ء] الہ آباد ہائی کورٹ کے نامور وکیل تھے۔ابتدائی تعلیم کے بعد ویلزلی اسکول اعظم گڑھ میں انگریزی تعلیم حاصل کی۔بعدازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے ایم اے او کالج علی گڑھ گئے اور وہاں سے قانون کی تعلیم حاصل کر کے الہ آباد ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی۔اور نہایت کامیاب وکیل ثابت ہوئے۔

وہ علامہ شبلی کے قائم کردہ نیشنل اسکول کے نائب سکریٹری تھے۔آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے کئی اجلاسوں میں شریک ہوئے۔اپنے والد شیخ حبیب اللہ کی طرح رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔خطہ مشرق میں تعلیم عام کرنے کی غرض سے وہ اعظم گڑھ کے قصبات میں نیشنل اسکول کی طرح اسکول قائم کرنا چاہتے تھے۔اس کے لئے انہوں نے اپنی جیب خاص سے ایک رقم بھی مختص کر لی مگر اچانک انتقال سے ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔اور اعظم گڑھ کو وہ جن بلندیوں پر پہنچانا چاہتے تھے ان کا وہ خواب ادھورا رہ گیا۔

علامہ شبلی انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔گھر اور زمینداری کی دیکھ بھال کا تمام تر ذمہ انہیں کے سر تھا۔یہی وجہ تھی کہ ان کے غم انتقال کو وہ برداشت نہ کر سکے اور علامہ شبلی خود بھی بقول شخصے

اسی غم میں جنت سدھارے۔

محمد اسحاق وکیل کا علامہ شبلی نے جو پر درد مرثیہ لکھا ہے، وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ علامہ شبلی نے اور مقامات پر بھی ان کا ذکر کیا ہے، مگر مرثیہ کے ایک ایک شعر سے ان کے انتہائی رنج وغم کا اظہار ہوتا ہے۔ مرثیہ کے دو بند ملاحظہ ہوں:

تازہ تھا دل پہ مرے مہدی مرحوم کا داغ
کہ مرا قوت بازو تھا مرا چشم و چراغ
اس کو جنت میں جو خالق نے دیا گنج فراغ
میں یہ کہتا تھا کہ اب بھی تر و تازہ ہے یہ باغ
یعنی وہ آئینہ خوبی اخلاق تو ہے
اٹھ گیا مہدی مرحوم تو اسحاق تو ہے
آج افسوس کہ وہ نیر تاباں بھی گیا
میری جمعیت خاطر کا وہ ساماں بھی گیا
اب وہ شیرازۂ اوراق پریشاں بھی گیا
عتبہ والد مرحوم کا درباں بھی گیا
گلہ خوبی تقدیر رہا جاتا ہے
نوجواں جاتے ہیں اور پیر رہا جاتا ہے

علامہ شبلی نے اس کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ ''مکاتیب شبلی'' میں تو کثرت سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ قصیدہ کشمیریہ میں جہاں ڈاکٹر مصطفیٰ خاں اسسٹنٹ سول سرجن سے علاج کرانے کا ذکر ہے، وہاں بھی اسحاق مرحوم کی علاج ومعالجہ سے دلچسپی کو بیان کیا ہے۔ اپنے والد کے مرثیہ میں بھی ان کو یاد رکھا ہے:

شبلی رسید و نالہ زد و بسمل افتاد
اسحاق آمد و مژہ را اشکبار کرد

یہ واقعہ ہے کہ علامہ شبلی کو اپنے دوسرے بھائیوں کی بہ نسبت اسحاق صاحب سے بے پناہ تعلق تھا۔ وہ جہاں اپنے خانوادے کا ذکر کرتے ہیں، اسحاق صاحب ذکر کا ضرور کرتے ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ وہ دست و دل شبلی نعمانی تھے۔

(کلیات شبلی اردو ص: ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲۔ کلیات شبلی فارسی ص: ۲۵، ۴۳)

سر محمد شفیع

[۱۸۶۹-۱۹۳۲ء]

سر محمد شفیع [۱۸۶۹-۱۹۳۲ء] لاہور کا شمار ہندوستان کے نامور وکلا اور قانون دانوں میں ہوتا ہے۔ وہ ماہر تعلیم بھی تھے۔ قومی و ملی ہمدردی کے جذبات سے بھی سرشار رہے۔

لاہور سے تحصیل علم اور حصول اسناد کے بعد لندن گئے اور ۱۸۹۲ء میں بیرسٹر ہو کر واپس آئے۔ اپنے عہد کے بہت ممتاز وکیل تھے۔ عرصہ تک مختلف مقامات پر وکالت کرتے رہے۔ بعد ازاں ۱۹۱۱ء میں امپیریل لیجسلیٹیو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ پھر ۱۹۱۹ء میں وائسرائے کی مجلس عامہ کے رکن نامزد ہوئے۔

قانون کے ساتھ تعلیم پر ان کی گہری نظر تھی۔ انجمن اسلامیہ ہوشیار پور اور مسلم ہائی اسکول کی بنیاد انہیں نے ڈالی۔ اردو کانفرنس کے بھی وہ صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک اجلاس کے صدر منتخب ہوئے۔ اس کے خطبہ میں پرائمری سطح تک کی تعلیم مفت دئے جانے کی حکومت سے سب سے پہلے اپیل انہی نے کی تھی۔ آزادی کے بعد اسے بنیادی حقوق کے زمرہ میں شامل کیا گیا اور آج اس قانون سے ہر بچے کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

سر محمد شفیع پنجاب یونیورسٹی کے معاملات سے بھی دلچسپی لیتے تھے۔ ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شبلی سے بھی ان کے مراسم تھے۔ علامہ شبلی نے ایک نظم ''آیندہ مسلم لیگ کی صدارت'' میں ان کا ذکر کیا ہے بلکہ ان کی مسلم لیگ کی صدارت کے انتخاب پر سخت طنز کیا ہے۔

لیگ نے سلف گورنمنٹ کی جو کی خواہش

وہ سمجھتی تھی یہ طرز بدیع اچھا ہے
لیکن اب اس نے سمجھا کہ غلط تھا وہ خیال
کہ ملازم وہی اچھا جو مطیع اچھا ہے
اب کی ہوجائے گا اس جرات بے جا کا علاج
لیگ مجرم ہے تو ہونے دو ''شفیع'' اچھا ہے

جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی[۱۸۸۴-۱۹۵۳ء] نے ''کلیات شبلی اردو'' میں اس نظم پر ایک وضاحتی نوٹ لکھا ہے ۔ اس نظم کی تفہیم کے لئے اس نوٹ کا پیش نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''مسلمانوں کے اس ہنگامہ جوش میں ارباب مسلم لیگ نے مسٹر محمد شفیع بیرسٹر لاہور کو جو مسلمانوں کے ان ہنگاموں سے الگ تھے اور اس لئے حکومت کی نظر میں محبوب تھے، مسلم لیگ کا صدر بنانا تجویز کیا گیا۔ شاعر (شبلی) نے اس کی وجہ یہ تلاش کی ہے کہ ارکان مسلم لیگ کو حکومت کے پیش گاہ میں ایک شفیع کی ضرورت تھی تا کہ مسلم لیگ سے حریت وآزادی کے جو چند جرائم ہوگئے ہیں، وہ معاف ہوسکیں۔''
> (کلیات شبلی اردو ص ۱۹۵)

مولوی محمد عمر بیناپارہ

[...]

مولوی محمد عمر، مولانا سید سلیمان ندوی کی صراحت کے مطابق موضع دیناپارہ اصلاً بیناپارہ ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ علامہ شبلی کے اعظم گڑھ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کے نام ''مکاتیب شبلی'' حصہ دوم میں ۸/ فارسی خطوط شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں کسی قسم کی تفصیل نہیں ملتی۔ دارالمصنّفین قائم ہوا تو یہ زندہ تھے۔ اپنی بیاض جس میں علامہ شبلی کا بھی کلام تھا، مولانا سید سلیمان ندویؒ کے حوالہ کی تھی۔ بعد میں وہ کیا ہوئی کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔

علامہ شبلی سے اس تعلق کے بعد بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ نہ ماہ نامہ معارف میں اور نہ ماہ نامہ الاصلاح سرائے میر میں۔ موضع بینا پارہ کے لوگ بھی اپنے اس بزرگ سے واقف نہیں۔ ''تذکرہ علمائے اعظم گڑھ'' میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند نے بھی ان کا تذکرہ نہیں لکھا ہے۔

علامہ شبلی کے ابتدائی دور کے خطوط مولوی محمد سمیع کے علاوہ مولوی محمد عمر صاحب نے بھی سینے سے لگا کر محفوظ رکھا تھا اور جب اس کی تدوین واشاعت کا موقع آیا تو مدون مولانا سید سلیمان ندوی کے حوالہ کیا۔ جس سے علامہ شبلی کی ابتدائی زندگی کے احوال تو معلوم ہی ہوتے ہیں ان کی عقیدت شبلی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے پاس علامہ شبلی کا ابتدائی دور کا کچھ کلام بھی تھا جو انہوں نے ''کلیات شبلی'' میں شمولیت کے لئے سید صاحب کو فراہم کیا تھا۔ اس میں خود ان کی نوید شادی پر کہی گئی علامہ شبلی کی ایک نظم بھی شامل ہے۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے:

در عیش وطرب باز است امروز
جہان را کار با ساز است امروز

اور خاتمہ اس شعر پر ہوا ہے:

ز راہ لطف کار من بسازند
غریبے را باحسانے نوازند
(کلیات شبلی فارسی ص۹۹، ۱۰۰)

نواب محمد فضل الدین خاں

[م: جون ۱۹۰۲ء]

ایم، اے، او، کالج علی گڑھ کے تعاون کے لئے سرسید اور علامہ شبلی وغیرہ نے ۱۸۹۱ء میں حیدرآباد کا سفر کیا اور نظام حیدرآباد سے ملاقات کی۔ اس موقع پر حیدرآباد میں ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس کی صدارت نواب محمد فضل الدین خاں اقبال الدولہ سروقار الامراء نے کی تھی۔

اس جلسے میں علامہ شبلی نے ایک ترکیب بند پیش کیا تھا، جس میں علی گڑھ کالج اور جدید تعلیم کی اہمیت وضرورت نیز اس کے حالات اور سرسید احمد خاں کی جدو جہد کو بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ اس اجلاس میں نواب اقبال الدولہ شریک تھے۔ علامہ شبلی نے اپنے ترکیب بند میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اس جلسہ نے بڑی اہمیت اختیار کر لی۔ اور اس سے آئندہ کے لئے بھی راہ ہموار ہوئی اور ریاست حیدرآباد سے علی گڑھ کے بڑے مضبوط رشتہ کی بنیاد پڑی۔

(کلیات شبلی فارسی ص:۱۵)

اس کے بعد نواب اقبال الدولہ حیدرآباد کے مدارالمہام کی حیثیت سے علی گڑھ کالج تشریف لائے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اس موقع پر بڑا پرزور قصیدہ پڑھا۔ جس میں مسلمانوں کے ادبار، علی گڑھ تحریک اور کالج کی خصوصیات وغیرہ کو بڑے خوب صورت اور دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ کلیات شبلی میں شامل نہیں ہے۔ راقم نے ''آثار شبلی'' میں جہاں نوادرات شبلی جمع کئے ہیں اسے ''حیات شبلی'' سے نقل کر دیا ہے۔ ابتدائی دو اشعار یہ ہیں:

در جہاں چوں سخن از شوکت واز شاں گذرد　　نام دستور دکن بر سر عنواں گذرد
صدر جم مرتبہ نواب وقار الامراء　　آں کہ گردوں بدرش بندہ فرماں گذرد

۱۸۹۶ء میں حکومت آصفیہ حیدرآباد نے علامہ شبلی کا وظیفہ مقرر کیا۔ اس خوشی میں وہاں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ مولوی عزیز مرزا[۱۸۶۵-۱۹۱۲ء] نے سپاس نامہ پیش کیا۔ علامہ شبلی نے اس کے جواب میں ایک ترکیب بند پیش کیا۔ جو ''کلیات شبلی'' میں شامل نہیں ہے۔ البتہ ماہنامہ معارف اکتوبر ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا ہے۔ اس میں بھی نواب وقارالامرا کا ذکر ہے۔ انہی کا نہیں میر محبوب علی خاں نظام حیدرآباد اور بعض دوسرے عمائدین حیدرآباد کا بھی ذکر ہے۔ طوالت کے خوف سے اشعار نقل نہیں کئے جارہے ہیں۔ البتہ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ علامہ شبلی نے جو علمی، ادبی اور تحقیقی کارنامے انجام دئے، اس میں حکومت آصفیہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اسی سلطنت نے انہیں وظیفہ دیا۔ پھر ناظم سررشتہ علوم وفنون بنایا اور جب ملازمت چھوڑی تو نہ صرف وظیفہ جاری کیا بلکہ اس میں ۱۰۰/روپۓ کی جگہ ۲۰۰/روپۓ یعنی

اضافہ کیا، تا کہ وہ اپنے علمی وتحقیقی کاموں کو بحسن وخوبی جاری رکھ سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آخر میں تو بس وہ اسی وظیفہ کے سہارے علمی کاموں کو انجام دیتے رہے۔

(آثار شبلی ص ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۲)

سلطان محمود غزنوی

[۹۷۱-۱۰۳۰ء]

یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی [۹۷۱-۱۰۳۰ء] سلطنت غزنویہ کے بانی ابومنصور سبکتگین [م: ۵/اگست ۹۹۷ء] کا دوسرا بیٹا تھا۔ ۹۹۷ء میں ابومنصور سبکتگین کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا اسمعیل غزنوی ستمبر ۹۹۷ء میں تخت نشیں ہوا، لیکن محض سات ماہ بعد فروری ۹۹۸ء میں سلطان محمود غزنوی نے اسے شکست دے کر عنان حکومت سنبھالی اور پے بہ پے معرکے سر کرتا ہوا غزنی سلطنت کے حدود بڑھاتا چلا گیا۔ بلکہ اس قدر وسعت دی کہ بغداد کی سلطنت سے بھی زیادہ وسیع کر دیا۔

وہ بہادر، شجاع اور اولوالعزم ہونے کے ساتھ صاحب علم وفضل بھی تھا۔ شعر وسخن سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ وہ صرف صاحب سیف ہی نہ تھا علم دوست اور ادب نواز اور ارباب کمال کا قدر داں بھی تھا۔ البیرونی اور سعدی جیسے ارباب کمال اسی کے دربار سے وابستہ رہے۔ اس نے اپنے دائرہ حکومت میں وسعت کے لئے ہندوستان پر سترہ بار حملہ کیا۔ ایاز اسی کا غلام تھا، جس کو بڑی شہرت ملی۔ علامہ اقبال کے اس شعر نے تو محمود وایاز کو شہرت عام دیدی۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

سرسید احمد خاں [۱۸۱۷-۱۸۹۸ء] کے صاحبزادے جسٹس سید محمود [۱۸۵۰-۱۹۰۳ء] کی شادی کے موقع پر علامہ شبلی نے جو منظوم تہنیت پیش کی تھی اس میں تلمیح کے ساتھ بڑے بلیغ انداز میں شاعرانہ تعلّی کی ہے:

مجھ کو خود حسن طبیعت پہ ہے اپنے وہ غرور
کہ لکھوں مدح تو اپنا ہی لکھوں علم وعمل
میں بھی ہوں عنصری وقت جو محمود ہے تو
میں بھی ہوں ناز سلف تو ہے اگر فخر اول
(کلیات شبلی اردو ص۴۷)

حالانکہ نام کے سوا دونوں محمود میں کوئی مناسبت نہ تھی۔

علامہ شبلی کے فارسی کلام میں بھی سلطان محمود کا ذکر آیا ہے۔علامہ فرماتے ہیں:

عذر من نہ کہ محال ست بیک نغمہ سرود
داستان غم و افسانہ محمود و ایاز

دوسرا شعر بھی لائق ذکر ہے۔فرماتے ہیں:

داستاں چند تواں کرد ز محمود و ایاز
تا یکے خود سخن از وامق و عذرا ماند
(کلیات شبلی فارسی ص:۳،۱۶)

ڈاکٹر مختار احمد انصاری

[۱۸۸۰-۱۹۳۶ء]

انڈین نیشنل کانگریس کے سابق صدر اور مشہور مجاہد آزادی ڈاکٹر مختار احمد انصاری [۱۸۸۰-۱۹۳۶ء] جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے بانیوں میں ہیں۔اعظم گڑھ کے پڑوسی ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے۔ وہیں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وتربیت کے بعد نظام حیدرآباد کے وظیفہ پر لندن گئے اور وہاں سے (LRCP) اور (MRCP) کے امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کئے۔ ۱۹۰۸ء میں چیرنگ کراس ہاسپٹل میں ہاؤس سرجن(House Surgeon) مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر مختار انصاری پہلے ہندوستانی ڈاکٹر تھے جو لندن کے اسپتال میں سرجن مقرر ہوئے تھے،لیکن

قومی ضرورتوں کے پیش نظر بہت جلد انہوں نے اس ملازمت کو خیر باد کہہ دیا اور قومی خدمت کے لے ہندوستان لوٹ آئے۔اور پوری زندگی قوم وملت کی خدمت انجام دیتے رہے۔

ڈاکٹر مختار انصاری جدید تعلیم یافتہ اور بڑے روشن خیال شخص تھے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پیشہ ور ڈاکٹر ہونے کے باوجود علامہ شبلی کے ہم خیال اور قوم پرور سیاست داں تھے۔جنگ کے زمانہ میں زخمیوں کے علاج کے لئے ڈاکٹر انصاری ترکی میں طبی وفد لے کر گئے۔علامہ شبلی اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے۔اور وفد کی روانگی کے وقت لکھنو ریلوے اسٹیشن پر شدت جذبات اس قدر بے قابو اور جذباتی ہو گئے کہ ڈاکٹر انصاری کے بوٹ کو بوسہ دیدیا۔اور جب وہ طبی مشن سے لوٹ کر وطن آئے تو ان کے استقبال کے لئے بمبئی تشریف لے گئے۔اور ایک نظم میں ان کی خدمات کو سراہا۔یہ طویل نظم ''کلیات شبلی'' میں ''خیر مقدم ڈاکٹر انصاری'' کے نام سے شامل ہے۔اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔اس میں انہوں نے اگر چہ ڈاکٹر انصاری کا خیر مقدم کیا ہے مگر درحقیقت یہ ان کے جذبات کا ایک آئینہ ہے۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں ترکوں سے کس درجہ محبت تھی اور وہ ان کے بارے میں کیسے کیسے جذبات واحساسات رکھتے تھے۔اور یہ بھی کہ طبی وفد کے وہ کس درجہ ہمدرد اور مداح تھے۔اس کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

ادا کرتے ہیں ہم شکر جناب حضرت باری
کہ آئے خیریت سے ممبران وفد انصاری
ہزاروں کوس جا کر بھائیوں کی تم نے خدمت کی
یہی تھا درد اسلامی یہی تھی رسم غم خواری

(کلیات شبلی اردو ص:۱۲۲)

سر جیمس مسٹن (لاٹ صاحب)

[۱۸۶۵-۱۹۴۳ء]

لاٹ صاحب سے مراد اس وقت کے صوبہ متحدہ آگرہ واودھ کے گورنر مسٹر سر جیمس مسٹن

(Sir James Meston.1865-1943) ہیں۔ یہ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۸ء تک اس وقت کے صوبہ متحدہ آگرہ واودھ کے گورنر رہے۔

اسی شخص نے مچھلی بازار کان پور کی مسجد کا قضیہ کھڑا کیا تھا اور اسی کے حکم پر مسجد کا وضوخانہ شہید کیا گیا۔ مسلمانوں نے اس سے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست کی تو اس نے انگریزی حکومت کے فیصلے کو ناقابل تنسیخ قرار دیتے ہوئے کسی طرح کی ترمیم سے سرے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر علامہ شبلی نے اور قطعات کے ساتھ یہ اشعار بھی کہے:

حضرت لاٹ بفرمود کہ فرمان فرمائے
نیست ممکن کہ دگر بگذرد از گفتہ خود
صدر اعظم بسوئے قسمت بنگالہ شرق
نگہے کرد وفرمود کہ من کردم وشد

مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ''اس میں ایک تلمیح ہے۔ لارڈ کرزن نے جب بنگال کی تقسیم کی تھی مشرقی اور مغربی بنگال تو بنگالیوں نے سخت ہنگامہ برپا کیا۔ اس کے جواب میں وزیر اعظم نے فرمایا تھا کہ ہماری حکومت کے احکام میں تغیر وتبدل نہیں۔ یہ مختتم معاملہ ہے اور اس میں تنسیخ قطعاً غیر ممکن، مگر اس تیقن اور تاکید کا منظر یہ نظر آیا کہ شہنشاہ برطانیہ نے دلی آکر تاج پوشی کے موقع پر اس ناقابل تنسیخ حکم کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح مسجد کا معاملہ بھی ہوگا۔''

(کلیات شبلی اردو ص: ۱۶۷-۱۶۸)

مصطفیٰ احمد

[•••]

مصطفیٰ احمد کا نام امین الدین امین لکھنوی کے نام علامہ شبلی نعمانی کے ''نامہ منظوم'' میں اس

طرح آیا ہے۔

مصطفیٰ احمد زاں ہردو یکے بود بہ نام
کہ از اعیان اودھ منفردست از اشباہ

تلاش وجستجو کے بعد نہ یہ تحقیق ہوسکی کہ یہ کون تھے؟ اور نہ ان کے حالات وسوانح سے متعلق کسی قسم کی معلومات ہاتھ آسکیں۔(کلیات شبلی فارسی ص:۷)

ڈاکٹر مصطفیٰ خاں

[•••]

ڈاکٹر مصطفیٰ خاں اسسٹنٹ سول سرجن اعظم گڑھ اسپتال، علامہ شبلی کے چھوٹے بھائی مولوی محمد اسحاق وکیل کے دوست اور علامہ کے معالج خاص تھے۔ ۱۸۹۹ء میں جب علامہ شبلی نعمانی بہت بیمار ہوئے اور اعظم گڑھ کا علاج ناکافی ثابت ہونے لگا تو دلی جانے کا قصد کیا۔ اسی زمانہ میں ڈاکٹر مصطفیٰ خاں مل گئے۔ اور ان کے علاج سے صحت یاب ہوئے۔ اس بات کا ذکر قصیدہ کشمیریہ میں خود علامہ شبلی نے کیا ہے۔

آخرکار زلطف وکرم بار خدا
مردے از غیب بروں آمد وکارم شدہ است

مصطفیٰ خاں کہ اسسٹنٹ سول سرجن ہست
از رہ لطف بہ اعظم کدہ آمد ناخواست

داشت چوں سابقہ معرفتے باسحاق
کہ اخ اصغر من ہست وبہر پایہ سزاست

علامہ شبلی ہمہ وقت علمی وادبی اور ملی وتاریخی کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ اعظم گڑھ اور

علی گڑھ تو آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔سال میں ایک بار ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کے لئے بھی سفر کرنا پڑتا۔۱۸۹۵ء میں اہلیہ مجیدا بی بی کا انتقال ہو چکا تھا۔ڈاکٹر مصطفیٰ خاں نے صحت کے لئے نکاح کا مشورہ دیا۔چنانچہ اس پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے جون سن ۱۹۰۰ء میں دوسرا نکاح کیا۔ دوسری اہلیہ محمد نعیم موضع خاص ڈیہہ ضلع اعظم گڑھ کی صاحبزادی اوران کے ابتدائی دور کے شاگرد اور دوست مولوی محمد سمیع کی ماموں زاد بہن تھیں۔ یہ پانچ برس ساتھ رہیں۔۱۹۰۵ء میں بندول میں انتقال ہوا۔اسی دن اتفاقاً مولانا ابوالکلام آزادعلامہ شبلی سے ملاقات کے لئے موضع بندول آئے تھے۔ چنانچہ وہ بھی جنازہ میں شریک رہے۔مولانا آزاد کا بیان ہے کہ اہلیہ کے انتقال پر علامہ شبلی بے قابو ہوکر روئے۔

۷ارمئی ۱۹۰۷ء کو علامہ شبلی کے پاؤں کا حادثہ پیش آیا۔تب بھی انہی ڈاکٹر مصطفیٰ خاں کا علاج ہوا تھا۔وہ ڈاکٹر کی حیثیت بلند رتبہ تھے،مگر ان کے ذاتی حالات معلوم نہ ہوسکے۔سوائے اس کے کہ یہ ضلع گونڈہ اور پھر ضلع اعظم گڑھ کے اسپتالوں میں اسسٹنٹ سول سرجن کے عہدہ پر مامور رہے۔(کلیات شبلی فارسی ص:۲۵)

مظفر نعمانی

[•••]

علامہ شبلی نعمانی کے والد شیخ حبیب اللہ کا نکاح حاجی قربان قنبر انصاری رئیس موضع پھریہا ضلع اعظم گڑھ کی صاحبزادی قائمہ بی بی سے ہوا تھا۔بعد میں شیخ صاحب نے ایک اور نکاح غیر کفو میں کرلیا تھا۔ان کے بطن سے ایک صاحبزادے محمد پیدا ہوئے۔محمد مرحوم بڑے ذہین، ہونہار اوراعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔مگر جس دن ان کا ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر تقرر کا پروانہ آیا،اسی دن مختصر سی علالت میں دفعتاً انتقال کیا۔مظفر نعمانی انہی کے صاحبزادے تھے۔شیخ حبیب اللہ کے انتقال کے بعد یہ مجوب ہوگئے تھے۔علامہ شبلی نے ان کو جائیداد میں شریک کرایا اور ورثاء کی رضامندی سے ان کا نام بھی حصہ داروں میں داخل کرایا۔شیخ حبیب اللہ کو اپنے اس پوتے سے

بڑی انسیت تھی۔علامہ شبلی نے شیخ حبیب اللہ کے مرثیہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔فرماتے ہیں:

مپسند ایں کہ بیکس و بے خان و ماں شود

ہاں آں قدر بماں کہ مظفر جواں شود

محمد اوران کے صاحبزادے مظفر کے حالات وسوانح معلوم نہ ہو سکے۔شیخ حبیب اللہ کی اولاد ہونے کے باوجود کسی نے ان کا ذکر کرنا پسند نہیں کیا۔حتیٰ کہ''تاریخ بندول'' کے مصنف راوت محمد رضی چودھری نے موضع بندول کا جو شجرہ تیار کیا ہے،اس میں بھی ان دونوں باپ بیٹوں کا نام شامل نہیں ہے۔مولانا سید سلیمان ندوی کی''حیات شبلی''اورعلامہ شبلی کے مرثیہ شیخ حبیب اللہ کی بدولت محض ان کے نام معلوم ہو سکے۔یہ استاذ شاگرد نہ ہوتے تو ان کا نام بھی مٹ گیا ہوتا۔تعصب کے ان رویوں نے نہ جانے کتنی قدروں کو پامال کیا ہوگا۔

(کلیات شبلی فارسی ص:۴۲)

خلیفہ منصور عباسی

[۷۱۴-۷۷۵ء]

ابوجعفر منصور عباسی [۷۱۴-۷۷۵ء] حضرت عباسؓ ابن المطلب [۵۶۸-۶۵۳ء] کا پوتا اور صاحب علم وفضل خلیفہ تھا،مگر سخت متعصب تھا۔سادات کو اپنا دشمن خیال کرتا تھا۔چنانچہ وہ جب تخت نشیں ہوا تو اس نے تمام ملک سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک ایک سادات کو جمع کر کے قیدی اور بندی بنایا۔سخت اذیتیں دیں اور انتہائی نازیبا رویہ اختیار کیا۔علامہ شبلی نے ایک نظم''جرات صداقت''میں تاریخ کے اس اندوہناک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔جس سے منصور عباسی کی سفا کیوں کا پتہ چلتا ہے۔اس کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے اور وہ اشعار بھی نقل کئے جا چکے ہیں۔میری خواہش ہے کہ قارئین اصل کتاب دیکھیں۔خاص طور پر شاہ معین الدین احمد ندوی کی کتاب تاریخ اسلام ایک بہترین کتاب ہے۔اسے دارالمصنّفین اعظم گڑھ نے شائع کیا ہے۔

(کلیات شبلی اردو ص:۹۹،۱۰۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

[۱۵۷۱-۱۴۵۱ق م]

حضرت موسیٰ علیہ السلام [۱۵۷۱-۱۴۵۱ق م] مصر میں پیدا ہوئے ۔فرعون ان کی تلاش میں سارا زورِ حکومت لگائے ہوئے تھا۔حکم دے چکا تھا کہ جو بچہ بیدا ہوا سے قتل کر دیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ نے اللہ کے حکم سے ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا۔صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچا تو فرعون کے آدمیوں نے انہیں دریا سے نکال کر محل میں پہنچا دیا۔اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی۔ جب بڑے ہوئے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے عقد ہوا۔ مدین سے مصر آتے ہوئے راستہ میں کوہ طور پر اللہ تعالی سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔اسی لئے آپ کو موسیٰ کلیم اللہ بھی کہا جاتا ہے۔آپ نے جب دین کی دعوت دی تو فرعون آپ کا دشمن ہو گیا۔اور زمین تنگ کرنے لگا۔چنانچہ آپ اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل پڑے۔ راہ میں دریائے نیل حائل ہوا۔اللہ تعالی کے حکم سے آپ نے دریائے نیل میں عصا مارا،جس سے راستہ بن گیا۔حضرت موسیٰ اوران کے امتی پار اتر گئے جبکہ نافرمان فرعون اسی نیل میں غرق ہوا۔اوراس کی نعش دریائے نیل نے باہر پھینک دی۔جو آج اہل بصیرت کے لئے عبرت نگاہ بنی ہوئی ہے۔پوری تفصیل قرآن مجید میں موجود ہے۔علامہ شبلی نے ایک نظم ''ہجرت نبویؐ'' میں تمثیلاً حضرت موسی علیہ السلام اور طور کا ذکر کیا ہے۔(کلیات شبلی اردو ص:۸۱)

فرعون مصری بادشاہوں کو کہا جاتا ہے۔جدید ماہرین اثریات کے مطابق حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جو فرعون تھا اور جس کی نعش ابتک عبرت نشان بنی ہوئی ہے اس کا نام رعمیس ثانی ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے ۱۹۰۷ء کے اجلاس میں علامہ شبلی نے جو ترکیب بند پیش کیا تھا،اس کے ایک شعر میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شامل ہے:

سامری دم نتواند زدن آں جا کہ خود او
پنجہ بر تافتہ موسی عمراں باشد

علامہ شبلی ۱۹۰۲ء میں ندوۃ العلماء کے اجلاس عام میں جو امرت سر میں منعقد ہوا تھا۔ بڑے اہتمام سے شریک ہوئے۔اہتمام یہ تھا کہ اس میں پیش کرنے کے لئے ایک مفصل ترکیب بند لکھا اور اسے نہایت اہتمام سے رنگین چھپوایا اور تقسیم کرایا۔اس کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے۔اس میں جہاں تعلیم جدید کا ذکر کیا ہے اس میں یہ شعر بھی کہا ہے کہ

مسمرار شعبدہ جلوہ دہد، سر بہ نہی
منکر معجزہ موسیٰ عمراں باشی

(کلیات شبلی فارسی ص:۱۰،۳۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقب کلیم اللہ ہے۔کلام شبلی میں اس کا ذکر کئی جگہ آیا ہے اور ہر جگہ مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔علامہ شبلی اپنے عہد کی مسلم لیگ اور اس کے نظریات کو ناپسند کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی نظموں میں ان خیالات پر سخت تنقیدیں کی ہیں۔ ایک نظم ''مسلم لیگ'' میں اور بہت سی باتوں کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ

جناب لیگ سے میں نے کہا کہ اے حضرت
کبھی تو جا کے ہمارا بھی ماجرا کہئے
کلیم طور پہ کرتے تھے عرض قوم کا حال
تو آپ شملہ پہ کچھ حال قوم کا کہئے

شملہ سے اس وقت انگریز بہادر شوق حکمرانی فرمایا کرتے تھے۔

(کلیات شبلی اردو ص ۱۳۴)

مہدی حسن بیرسٹر ایٹ لا

[م:۲۹/جون ۱۸۹۷ء]

محمد مہدی حسن [م:۲۹/جون ۱۸۹۷ء] بی اے آکسن، بیرسٹر ایٹ لا۔علامہ شبلی نعمانی کے منجھلے بھائی تھے۔بندول میں پیدا ہوئے۔اولاً قرآن مجید حفظ کیا۔پھر عربی فارسی کی تعلیم

حاصل کی۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسی دوران ۱۸۷۹ء میں الہ آباد سے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ بعدازاں اعلی تعلیم کے لئے علی گڑھ کالج میں داخل کئے گئے۔ ۱۸۸۴ء میں علی گڑھ سے ایف اے پاس کیا۔ اکتوبر ۱۸۸۵ء میں بیرسٹری کے لئے لندن گئے۔ تین سال بعد ۸/ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو بی، اے آکسن اور بارایٹ لا ہوکر واپس آئے۔

مہدی حسن کی لندن کے زمانہ قیام میں صحت خراب ہوگئی تھی۔ اس کی وجہ سے انہوں نے اپنے مرتبہ سے نیچے درجہ کی منصفی قبول کر لی۔ لیکن وہ بھی انہیں راس نہ آئی اور تمام تر علاج ومعالجہ کے باوجود وہ صحت یاب نہ ہوسکے اور ۲۹/ جون ۱۸۹۷ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

وہ بڑے ذہین اور باصلاحیت تھے۔ عربی وفارسی سے بخوبی واقف تھے۔ اردو زبان پر غیر معمولی عبور حاصل تھا اور بڑی شگفتہ نثر لکھتے تھے۔ انہوں نے مضامین بھی لکھے، لیکن ابتک ان کا کوئی مضمون نظر سے نہیں گذرا۔ البتہ انہوں نے اپنے والد شیخ حبیب اللہ، چچا شیخ مجیب اللہ اور بڑے بھائی علامہ شبلی نعمانی کو لندن سے جو خطوط لکھے ہیں وہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر ابن فرید [۱۹۲۵-۲۰۰۷ء] اور ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی [۱۹۳۷-۲۰۱۳ء] نے ان خطوط پر تنقیدی مضامین ماہ نامہ آج کل دہلی اور ماہ نامہ ادیب علی گڑھ میں لکھے ہیں اور اسے ادب کا قابل قدر سرمایہ قرار دیا ہے۔ راقم نے ان خطوط کو اپنی کتاب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں بطور ضمیمہ شائع کر دیا ہے۔ علامہ شبلی اپنے مکاتیب میں بھی ان کا کثرت سے ذکر کیا ہے۔ مرثیہ محمد اسحاق میں بھی ان کا ذکر آیا ہے۔ شیخ حبیب اللہ کے مرثیہ میں یہ شعر بھی موجود ہے:

مہدی اگر گذشت سہ تن باز ماندہ ایم
با ما بباش و ہمرہی رفتگاں مکن

مہدی حسن مرحوم لندن سے بی اے آکسن اور بیرسٹرایٹ لا ہوکر واپس آئے۔ اس خوشی میں شیخ حبیب اللہ نے ایک جشن کا انعقاد کیا۔ جس میں تمام اعزہ واحباب اور عمائدین اور روسائے شہر اعظم گڑھ کو مدعو کیا۔ اس جشن کی ایک خاص بات یہ تھی کہ ایک ہفتہ تک مسلسل دعوت کا اہتمام رہا۔ علامہ شبلی نے اس جشن میں ایک نظم پیش کی تھی، جو محفوظ نہ رہ سکی۔ البتہ اس کے دو

شعر علامہ شبلی نعمانی کے ایک اور شاگرد اور نہایت اہم شاعر و ادیب مولوی اقبال احمد خاں سہیل [۱۸۸۴-۱۹۵۵ء] کے حافظہ میں محفوظ رہ گئے تھے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کے حوالہ سے ''حیات شبلی'' میں نقل کیا ہے۔فرماتے ہیں۔

خار ور دیدۂ عدو شکنی
حاسداں را جگر گداز آئی
مابہ نا دیدہ در رہت باشیم
کہ تو نا گہ زدر فراز آئی

عطیہ فیضی جب یورپ سے واپس آئیں تو ان کے خیر مقدم میں علامہ شبلی نے جو استقبالیہ نظم بھیجی تھی اس میں اور مہدی حسن والی نظم میں بہت معمولی سا فرق ہے۔شاید مہدی حسن کی استقبالیہ نظم میں معمولی ردوبدل کر کے عطیہ فیضی کو بھیج دی تھی۔

(۱۔کلیات شبلی اردو ص:۲۰۱،۲۔کلیات شبلی فارسی ص:۴۲،۳۔آثار شبلی ص:۴۵۰)

میرزا سعد

[•••]

میرزا سعد کشمیر کے ایک رئیس اور علامہ شبلی کے وہاں کے خاص احباب میں سے تھے۔ان کے قیام کشمیر میں یہ اور بعض دوسرے احباب ان کے ساتھ رہے اور بیماری کی حالت میں ان کی بڑی نگہداشت کی۔قصیدہ کشمیریہ میں ان کا ذکر آیا ہے۔

خاصہ مخدوم من ویار من ویار من
میرزا سعد کہ در شہر امیرالامرا ست

آنچہ بامن زسر خستہ نوازی کردہ است
ہر بن موئے ہنوزم بہ سپاسش گویاست

بہ شدم گرچہ بزودی وتسلی گشتم
کایں چنیں بہ شدن زود خود از لطف ہواست
(کلیات شبلی فارسی ص:۲۴)

میرزا اسعد کے بارہ میں اہل کشمیر ہی کچھ بتا سکتے ہیں۔

نازلی بیگم

[۱۸۷۲-۱۹۶۸ء]

نازلی رفیعہ بیگم [۱۸۷۲-۱۹۶۸ء] عطیہ فیضی کی منجھلی بہن اور جنجیرہ کے حکمراں نواب سر سیدی احمد [۱۸۶۲-۱۹۲۲ء] کی مطلقہ۔ یہ استنبول ترکی میں پیدا ہوئیں، جہاں ان کے والد حسن علی آفندی [۱۸۳۸-۱۹۰۳ء] بغرض تجارت مقیم تھے۔ یہ جدید تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ خواتین کی بڑی ہمدرد اور خیر خواہ تھیں۔ ملک کی کئی خواتین تنظیموں سے وابستہ رہیں اور ان کا بڑا تعاون کیا۔ ۱۸۸۶ء میں ان کا نکاح مروڈ جنجیرہ کے نواب سیدی احمد سے ہوا۔ برسوں کوئی اولاد نہ ہونے کے سبب نواب نے جانشین کے لئے دوسرا نکاح کرنا چاہا، جس سے میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہوا اور دونوں کا رشتہ ازدواج قائم نہ رہ سکا اور علاحدہ ہو گئے، مگر خاموشی سے نہیں۔ معاملہ عدالت گیا اور برسوں جاری رہا۔ غالباً عطیہ فیضی کی خواہش پر علامہ اقبال نے بھی اس مقدمہ سے دلچسپی لی، مگر وہ بھی کسی نتیجہ پر نہ پہنچا سکے۔

نازلی بیگم اس زمانہ میں اردو کی ایک اہل قلم خاتون تھیں۔ خواتین کے رسائل میں مضامین لکھتی تھیں۔ ایک سفر نامہ ''سیر یورپ'' اور ایک خود نوشت ''سرگذشت'' ان کی یادگار ہیں۔

نازلی رفیعہ بیگم جب جنجیرہ میں تھیں تو علامہ شبلی کو جنجیرہ آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ۷/ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو علامہ شبلی جنجیرہ پہنچے اور نواب صاحب کے مہمان ہوئے۔ انجمن اسلام جنجیرہ کے ایک جلسہ سے خطاب کیا۔ ویزٹ بک پر اپنے تاثرات لکھے۔ جسے راقم اپنی کتاب ''آثار شبلی''

کے باب نوادرات میں نقل کر دیا ہے۔(باقیات شبلی ص ۱۳۹)

علامہ شبلی اور نازلی رفیعہ بیگم اور نواب صاحب کے درمیان خط کتابت بھی تھی۔قلعہ مروڈ جنجیرہ کے نوادرات میں علامہ شبلی کے خطوط بھی شامل ہیں۔

علامہ شبلی کو جنجیرہ بہت پسند آیا۔واپسی کے بعد بھی اس کے سحر میں مہینوں گرفتار رہے اور بقول شخصے جزیرہ کا خواب دن میں بھی نظر آتا رہا۔دراصل جب وہ جنجیرہ پہنچے اور اس کے پرفضا محل وقوع اور سبزہ سازوں کو دیکھا تو ان کے شاعرانہ مذاق طبیعت پر نشاط کی کیفیت طاری ہوگئی، اس کا ذکر انہوں نے متعدد خطوط میں بھی کیا ہے۔اور اس سے متعلق دو غزلیں بھی کہی ہیں۔ایک غزل کا شعر ہے:

یاد ہائے صحبت رنگیں جو جزیرہ میں رہیں
وہ جزیرہ کی زمیں تھی یا کوئی میخانہ تھا

نشہ آور تھی نگاہ مست ساقی اس قدر
خود بخود لبریز مے ہر ساغر و میخانہ تھا

دوسری غزل کا مطلع یہ ہے:

کسی کو یاں خدا کی جستجو ہوگی تو کیوں ہوگی
خیال روزہ وفکر وضو ہوگی تو کیوں ہوگی

اس کے ایک شعر میں نازلی بیگم کا ذکر اس طرح آیا ہے:

جناب نازلی بیگم کو اور نواب صاحب کو
کسی شے کی جو دل میں آرزو ہوگی تو کیوں ہوگی

یہ دونوں غزلیں ان کے کلیات اردو میں شامل نہیں ہیں۔راقم نے اپنی کتاب نوادرات شبلی میں شامل کیا ہے۔(نوادرات شبلی ص:۲۱۸)

ڈپٹی نذیر احمد

[۱۸۳۶-۱۹۱۲ء]

اردو کے بنیاد گذاروں میں شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی[۱۸۳۶-۱۹۱۲ء] کا نام کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔اردو میں ناول نگاری کی بنیاد انہیں کے مبارک ہاتھوں پڑی۔انہوں نے اپنی بچیوں کی تربیت کے لئے جو ناول لکھے تھے، وہ ہر بچی کی تربیت کے لئے مفید اور کارآمد قرار پائے۔اردو کی ترقی میں ان ناولوں کا بڑا اہم حصہ ہے۔مراۃ العروس [م:۱۸۶۹ء] بنات النعش [م:۱۸۷۳ء] توبۃ النصوح [م:۱۸۷۷ء] اور ابن الوقت [۱۸۸۸ء] وغیرہ ناول ڈپٹی نذیر احمد کا بڑا عظیم الشان کارنامہ ہیں۔یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ ڈپٹی نذیر احمد عرصہ تک اعظم گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر تعینات رہے اور ان کا مشہور ناول ''توبۃ النصوح'' یہیں اعظم گڑھ میں لکھا گیا۔

علامہ شبلی عمر میں ان سے ۲۱/برس چھوٹے تھے۔باوجود اس کے ڈپٹی نذیر احمد ان کی بڑی پذیرائی کرتے۔ایک بار علی گڑھ اسٹریچی ہال میں ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ہو رہا تھا۔مولانا شبلی بھی موجود تھے۔ڈپٹی نذیر احمد تقریر کر رہے تھے۔انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا کہ

> ''میں نے کسی زمانہ میں عربی اچھی پڑھی تھی۔اب تو ایسا ذہول ہو گیا ہے کہ مولوی شبلی ایک صیغہ پوچھ دیں تو بغلیں جھانکنی پڑیں۔'' (حیات شبلی ص ۶۱۵)

وہ بقول مولانا سید سلیمان ندوی اپنے لکچر سے پہلے اکثر اپنی سیدھی سادی نظمیں سناتے تھے۔اسی طرح کے ایک لکچر میں انہوں نے مجمع میں اپنا یہ شعر سنایا:

تم اپنی نثر کو لو نظم کو چھوڑو نذیر احمد
کہ اس کے واسطے موزوں ہیں حالی اور نعمانی

خود سے بیس سال چھوٹے شخص کی شاعری اور عربی دانی کی مجمع عام میں داد و تحسین ایک اہم بات ہے۔یہ بزرگوں کی بزرگانہ باتیں ہیں جو انہیں پر ختم ہوگئیں۔یہی نہیں علامہ شبلی نے جب ندوہ سے جولائی ۱۹۰۴ء میں ماہنامہ الندوہ جاری کیا اور بہت جلد اسے ایک ایسا علمی و تحقیقی رسالہ بنا دیا

جس کی اردو میں پہلے کوئی مثال نہ تھی تو ڈپٹی نذیر احمد نے اس کی بھی بھرپور داد دی اور عربی میں چند شعر کہہ کر پیش کئے، جن کا مفہوم یہ ہے کہ

''لوگ کہتے ہیں کہ فضل و کمال اگلوں کا حصہ تھا، مگر جب میں نے الندوہ کے صفحے دیکھے تو پایا کہ فضل و کمال تو پچھلوں ہی کا حصہ ہے۔'' (حیات شبلی ص ۶۱۶)

تعجب ہے اس قدر گوناگوں تعلقات کے باوجود شاعری کے حوالہ سے محض ایک قصیدہ ''قصیدہ عیدیہ'' میں ان کا نام آیا ہے:

نگہ از مہر سوئے حالی آزادہ فگن
واں نذیر احمد طوطی شکر خابنگر
(کلیات شبلی فارسی ص:۴)

نظیری نیشاپوری

[م:۱۰۲۱ھ]

نظیری نیشاپوری [م:۱۰۲۱ھ] فارسی کے نامور اور بڑے باکمال شاعر تھے۔ ان کا دیوان ہندوستان میں بھی بے حد مقبول ہوا۔ اسے مطبع نول کشور لکھنو نے بھی شائع کیا ہے۔

نظیری ایران کے شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی میں ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور پھر اسی کی خاک کا پیوند ہوئے۔ احمد آباد گجرات کی ایک مسجد میں ان کا مزار واقع ہے۔ علامہ شبلی نے اپنی مشہور کتاب ''شعر العجم'' میں ان کا تذکرہ اور ان کی شاعری پر مفصل ریویو لکھا ہے۔ وہ ان سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔ اپنی مثنوی ''صبح امید'' کے مقطع میں نظیری نیشاپوری کا پورا شعر نقل کیا ہے اور اس کے تخلص کی جگہ اپنا تخلص شامل کر دیا ہے۔ یہ شعر نہ صرف نظیری کا بلکہ فارسی زبان کا بہت مشہور شعر ہے:

سر گذشت عہد گل را ہم ز شبلی می شنو
عندلیب آشفتہ تر گفت ست ایں افسانہ را

علامہ شبلی نعمانی کے کئی مجموعہ غزلیات شائع ہوئے۔اس میں ''دستہ گل''اور''بوئے گل'' زیادہ مشہور ہیں۔''دستہ گل'' کی بہت مشہور غزل کا ایک شعر ہے:

شبلیا کیست ؟ کزو داد سخن می خواہی
گر نظیری نہ بود شیخ حزیں می باید

علامہ شبلی کی یہ شاعرانہ تعلّٰی کہ میری سخن سنجی کی اصل داد اہل ایران ہی دے سکتے ہیں،ان کی اپنی فارسی شاعری پر خود اعتمادی کی بھی ایک دلیل ہے۔اور جب ہم''کاروان خیال''میں ادیب شہیر امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد[۱۸۸۸-۱۹۵۸ء] کا یہ بیان دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں فارسی شاعری کا خاتمہ مرزا غالب پر نہیں بلکہ علامہ شبلی کی فارسی شاعری پر ہوا تو ان کی شاعری کی عظمت اور گہری معنویت سمجھ میں آجاتی ہے۔

(ا۔کلیات شبلی اردو ص:۶۰،۲۔کلیات شبلی فارسی ص:۸۸)

نواب صاحب

[۱۸۶۲-۱۹۲۲ء]

نواب سر سیدی احمد[۱۸۶۲-۱۹۲۲ء] ریاست مروڈ جنجیرہ کے حکمراں تھے۔عطیہ فیضی کی بڑی بہن نازلی رفیعہ بیگم[۱۸۷۲-۱۹۶۸ء] کے شوہر تھے۔ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تو نواب صاحب نے انہیں طلاق دے کر کلثوم بیگم[۱۸۹۷-۱۹۵۹ء] سے شادی کرلی۔ان سے ایک صاحبزادے سیدی محمد خاں پیدا ہوئے۔نواب سیدی احمد نے ۱۹۲۲ء میں وفات پائی۔نواب سیدی محمد خاں ان کے جانشین مقرر ہوئے۔انہوں نے یکم اپریل ۱۹۷۲ء کو انتقال کیا۔

علامہ شبلی کی بہت مشہور غزل ہے جس میں انہوں جنجیرہ کے خوب صورت مناظر اور دلکشی کی تصویر کھینچی ہے۔اس کے ایک شعر میں نازلی بیگم کے ساتھ نواب صاحب کا بھی ذکر ہے:

جناب نازلی بیگم کو اور نواب صاحب کو
کسی شے کی جو دل میں آرزو ہوگی تو کیوں ہوگی

(نوادرات شبلی ص:۲۱۸)

نور جہاں

[۱۵۷۷-۱۶۴۵ء]

نور جہاں [۱۵۷۷-۱۶۴۵ء] مغل بادشاہ جہاں گیر کی ملکہ۔قندھار افغانستان میں پیدا ہوئی اور ۷۸ رسال کی عمر میں لاہور میں وفات پائی۔جہاں گیر کے مقبرہ شاہدرہ لاہور میں مدفون ہے۔بڑی ذہین اور تیز طرار خاتون تھی۔بعض مورخین نے لکھا ہے کہ نور جہاں شعروادب کا بڑا عمدہ مذاق رکھتی تھی۔جہاں گیر کو اس سے بے حد انس تھا۔بعض مورخین لکھا ہے کہ جہاں گیر کے در پردہ اصلاً یہی نور جہاں ہندوستان پر حکومت کرتی تھی۔علامہ شبلیؒ نے بھی ایک شعر میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
تھی جہاں گیر کے پردہ میں شہنشاہ زمن

''عدل جہاں گیری'' علامہ شبلی کی بہت مشہور و مقبول نظم ہے،جس میں نور جہاں کے ایک راہ گیر کے قتل اور پھر عدالت میں اس کی پیشی،ترکنوں کا اسے گرفتار کرنا،عدالت میں پیش کرنا اور پھر سزا کا فیصلہ ہونا،نور جہاں کا خوں بہا دے کر عدالت سے بری ہونا اور جہانگیر کا اس میں کسی طرح کا دخل نہ دینا وغیرہ سلسلہ وار منظوم کیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ جہاں گیر کا یہ عدل و انصاف تھا کہ خطا پر اپنی چہیتی ملکہ کو بھی نہیں بخشا۔جب یہ سب کچھ ہو چکا اور نور جہاں خوں بہا ادا کر کے سزا سے بچ گئی تو جہاں گیر حرم میں آیا۔لیکن کس طرح علامہ شبلی کے الفاظ میں۔

ہو چکا جب کہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں
کہ نہیں اس میں کوئی شائبہ حیلہ و فن
اٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم
تھی جہاں نور جہاں معتکف بیت حزن

دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا
تو اگر کشتہ شدی آہ چہ می کردم من؟

ظاہر ہے یہ پوری نظم ہی نور جہاں اور جہاں گیر کے واقعہ کے حوالہ سے کہی گئی ہے۔اور جہاں گیر کے عدل وانصاف پر مبنی ہے۔اس لئے متعدد انداز میں ان دونوں کا ذکر آیا ہے۔یہ نظم ہمارے ادبی ذخیرہ میں ایک قیمتی اضافہ ہے اور ادب برائے زندگی کا ایک بہترین نمونہ بھی۔ حالانکہ اس وقت یہ ادبی نظریہ قائم بھی نہیں ہوا تھا۔

(کلیات شبلی اردو ص:۱۰۳،۱۰۴،۱۰۵)

نواب ضیاءالدین خاں نیر دہلوی

[۱۸۲۱-۱۸۸۵ء]

نواب ضیاءالدین خاں نیر دہلوی [۱۸۲۱-۱۸۸۵ء] دبستان دہلی کے ممتاز شاعر اور مرزا غالب [۱۷۹۷-۱۸۶۹ء] کے بھتیجے تھے۔علامہ شبلی [۱۸۵۷-۱۹۱۴ء] علی گڑھ کے زمانہ قیام کے آغاز میں وہاں ایک شاعر کی حیثیت سے معروف ہو گئے تھے۔وہ ۱۸۸۳ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ سے وابستہ ہوئے اور ایک سال بعد ۱۸۸۴ء میں حیراں وفراواں کے قافیہ اور چہ کنم ردیف میں شیخ محمد علی حزیں [۱۶۹۲-۱۷۶۵ء] کی غزل پر غزل لکھی۔طلبائے علی گڑھ نے طنز کیا کہ استاذ کی غزل پہ غزل سے کیا حاصل۔اس کی تفصیل علامہ شبلی کے ایک مکتوب میں آ گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’چہ کنم کی ردیف کی غزل پر یہاں ایک لطیفہ ہوا۔چند لڑکوں نے کہا کہ استاذ کی غزل پر غزل کہنے سے کیا حاصل:

ہمتائے فلک نہ ہوگا بادل

میں نے کہا:

دریا نہیں کاربند ساقی

غرض میری اورحزیں کی غزل خواجہ عزیزالدین صاحب عزیز مصنف قیصر نامہ اور نیر دہلوی کے کے پاس بغرض محاکمہ ارسال کی گئی۔ یہ وہی نیر ہیں جن کو غالب نے لکھا ہے:

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیر سے لڑائی

فارسی نہایت عمدہ کہتے ہیں اور غالب کے تلمیذ ارشد ہیں۔ دونوں نے تسلیم کیا کہ اہل زبان کا کلام ہے۔ نیر نے تو بہت تعریف لکھی۔ اور لکھا کہ سلف کے کلام کا ہم پلہ ہے۔ (مکاتیب شبلی ج ا ص ۷۵-۷۶)

اس واقعہ کے ایک سال بعد ۳/ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو نواب ضیاء الدین خاں نیر دہلوی نے وفات پائی تو علامہ شبلی نے ان کا مرثیہ لکھا۔ پورا مرثیہ نہ صرف نیر دہلوی کا بلکہ شعر و ادب کا نوحہ ہے۔ ایک بند بطور نمونہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

آں طراز سخن آں یوسف کنعان سخن　　آں کہ آراست زنو زلف پریشان سخن
آنکہ صد پایہ فزود از سخنش شان سخن　　آنکہ لعل و گہر افشاند بدامان سخن

دوسہ روز یست کہ از جام اجل مدہوش ست
عالمی زو بہ سخن ماندہ و او خاموش ست

اس مرثیہ میں علامہ شبلی نے نیر دہلوی کو ’’یوسف کنعان سخن‘‘ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے کلام میں نیر دہلوی کا کہیں اور ذکر نہیں ملتا۔

(کلیات شبلی فارسی ص: ۳۷، ۳۸)

سر آئزک نیوٹن

[۱۶۴۳-۱۷۲۷ء]

سر آئزک نیوٹن [۱۶۴۳-۱۷۲۷ء] دنیا کا عظیم اور نامور ترین سائنس داں ہے۔ اسے فلسفہ، ریاضی، کیمیا، طبیعات، فلکیات، وغیرہ مختلف علوم وفنون میں زبردست مہارت حاصل تھی۔

یہ ۴ر جنوری ۱۶۴۳ء کو انگلینڈ میں پیدا ہوا۔ ٹرینیٹی کالج لندن سے تعلیم حاصل کی۔ مختلف علوم میں بڑی مہارت حاصل کی۔ اس بنا پر رائل سوسائٹی کا پہلے رکن بنایا گیا۔ بعد ازاں صدر نامزد ہوا۔ سائنس دانوں میں شاید اس نے سب سے زیادہ شہرت پائی۔ بلکہ نیوٹن کے نام سے آج بھی بچہ بچہ واقف ہے۔ اور اگر کوئی شخص سائنسی علوم میں کچھ کر دکھاتا ہے تو اسے نیوٹن کا لقب دیدیا جاتا ہے۔ علامہ شبلی نے اپنی مثنوی ''صبح امید'' میں اس کا بھی ذکر کیا ہے۔

وہ گنج گران دانش و فن
وہ فلسفہ جدید بیکن
کپلر کی وہ نکتہ آفرینی
نیوٹن کے مسائل یقینی
اس فیض سے ہم بھی بہرہ ور ہوں
ہم بھی اسی کان کے گہر ہوں

مثنوی صبح امید کے یہ اشعار اس بات کی دلیل تو نہیں ہیں کہ علامہ شبلی سائنس اور اس کی ایجادات واختراعات سے واقف تھے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ قدیم سائنسی علوم کے ماہرین سے ضرور واقف تھے۔ بالخصوص ابتدائی دور کے مسلمان حکماء، فلاسفہ، سائنس دانوں اور ان کی کاوشوں پر ان کی گہری نگاہ تھی۔ ان کے بعض مضامین سے بھی یہ تاثر پیدا ہوتا ہے۔ مثنوی ''صبح امید'' ۱۸۸۵ء میں لکھی گئی۔ یہ ان کا علی گڑھ کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ علمیت اگرچہ علی گڑھ میں پروان چڑھی، تاہم درحقیقت آغاز پہلے ہو چکا تھا۔

(کلیات شبلی اردو ص ۴۵)

وامق.

[•••]

عذرا: فارسی ادب کا ایک رومانوی کردار ہے۔ وامق سے اس کی محبت کی داستان مشہور

ہے۔ یہ عشقیہ داستان اصلاً یونانی ہے۔علامہ کے قدیم فارسی کلام میں ایک جگہ وامق وعذرا کا بھی نام آ گیا ہے۔وہ شعر عذرا کے ذکر میں نقل ہو چکا ہے۔

(کلیات شبلی فارسی ص ۱۶)

نواب وقارالملک

[۱۸۴۱-۱۹۱۷ء]

مولوی مشتاق حسین ،نواب وقارالملک[۱۸۴۱-۱۹۱۷ء] علی گڑھ تحریک کے ایک اہم ستون تھے۔جس زمانہ میں سرسید احمد خاں[۱۸۱۷-۱۸۹۸ء] مرادآباد میں منصف کے عہدہ پر فائز تھے،اس وقت نواب وقارالملک وہاں ایک محرر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔سرسید نے قحط کے زمانہ میں انہیں راحت رسانی کے کاموں کا ذمہ دار مقرر کیا۔چنانچہ انہوں نے اپنا کام بڑی خوبی سے انجام دیا۔جس سے سرسید احمد خاں ان سے بہت متاثر ہوئے۔یہیں سے دونوں میں تعلقات قائم ہوئے۔جو مدۃ العمر بدستور باقی رہے۔ پھر وقارالملک ریاست حیدرآباد سے وابستہ ہو گئے۔سبکدوشی کے بعد سرسید احمد خاں کی معاونت کے لئے علی گڑھ آئے اور سرسید کے کاموں میں ہاتھ بٹایا۔نواب محسن الملک کی وفات کے بعد وہ علی گڑھ میں بورڈ آف ٹرسٹی کے آنریری سکریٹری نامزد ہوئے۔علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی بنانے میں بھی انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اس طرح علی گڑھ کالج اور علی گڑھ تحریک کی ترقی میں ان کا بڑا روشن اور نمایاں حصہ ہے۔سرسید کی شان میں علامہ شبلی نے جو مثنوی ''صبح امید'' لکھی ہے۔اس میں نواب محسن الملک کے ساتھ نواب وقارالملک کا بھی ذکر کیا ہے۔

سید اشرف علی ممتاز
مشتاق حسین نکتہ پرداز
ان کے قلم گہر فشاں نے
آئین گذارش بیاں نے

آسان کردی ہر ایک مشکل
ناطے شدہ رہ گئی نہ منزل
(کلیاتِ شبلی اردو ص ۴۳)

علامہ شبلی سے بھی ان کے گہرے مراسم تھے۔ ''مکاتیبِ شبلی'' میں ان کا متعدد مقامات پر بڑے ادب و احترام سے ذکر آیا ہے۔ دونوں کے درمیان اخیر تک خط و کتابت قائم رہی۔ ''مکاتیبِ شبلی'' اور ''مکتوباتِ شبلی'' میں ان کے نام علامہ شبلی کے کئی خطوط شامل ہیں۔

ہند

[م: ۶۳۶ء]

ہند یا ہندہ حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی جو بعد میں اسلام میں داخل ہوئیں۔ یہی وہ خاتون ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ کچا چبایا تھا اور جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض سامنے آنے سے احتراز کرنے کو کہا تھا۔ ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک گفتگو کو علامہ شبلی نے منظوم کیا ہے اور ان کی آزادانہ گستاخی کو آزادیِ افکار سے تعبیر کیا ہے۔ اس نظم کا آخری شعر یہ ہے:

لیکن آزادیِ افکار تھی از بس کہ پسند
آپؐ نے فرطِ کرم سے اسے رکھا معذور
(کلیاتِ شبلی اردو ص: ۸۴)

یزید

[۶۴۷-۶۸۳ء]

یزید بن امیر معاویہؓ [۶۴۷-۶۸۳ء] سے کون ہے جو ناواقف ہوگا۔ نواسہ رسولؐ حضرت حسینؓ کی شہادت جب جب یاد آتی ہے، یہ اور ان کی ہوس خلافت بھی یاد آ جاتی ہے۔ واقعہ کربلا

اسلامی تاریخ کا شاید سب سے زیادہ دردناک واقعہ ہے۔ چونکہ یزید کی حکومت موروثی تھی اور علامہ شبلی نے اسی موضوع پر ایک نظم ''نظام حکومت اسلام'' کہی ہے، جس میں لکھا ہے کہ موروثی نظام سلطنت ہمارا نظام حکومت نہیں۔ یہ کفار کا طریقہ کار اور قیصر وکسریٰ کی سنت ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ اس سلسلہ میں علامہ شبلی کا کیا نقطہ نظر تھا۔

جب ولی عہد ہوا تخت حکومت کا یزید
عامل یثرب وبطحا کو یہ پہونچے احکام
کہ ولی عہد کا بھی اب سے پڑھے نام ضرور
خطبہ پڑھتا ہے حریم نبوی میں جو امام
وقت آیا تو چڑھا پایہ منبر پہ خطیب
اور کہا یہ کہ یزید اب ہے امیر اسلام
یہ نئی بات نہیں ہے کہ ابوبکرؓ وعمرؓ
جانشیں کر گئے جب موت کا پہنچا پیغام
اٹھ کہ فرزند ابوبکرؓ نے فوراً یہ کہا
سر بسر کذب ہے یہ اے خلف لئام
جھوٹ ہے یہ کہ ہے یہ سنت بوبکرؓ وعمرؓ
ہاں مگر قیصر وکسریٰ کی ہے یہ سنت عام
اپنے بیٹے کو بنایا تھا خلیفہ کس نے
ایسی بدعت کا نہیں مذہب اسلام نام
یہ طریقہ متوارث ہے تو کفار میں ہے
ورنہ اسلام ہے اک مجلس شوریٰ کا نظام

واقعہ یہ ہے کہ مذہبی نقطہ نظر اپنی جگہ ادبی لحاظ سے بھی یہ علامہ شبلی کی انتہائی شاندار نظموں میں سے ایک ہے۔ اوراس لائق ہے کہ بار بار پڑھی جائے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ یہ واقعہ یا جب

حسن وحسین یادآتے ہیں تو طبیعت رنجیدہ ہوجاتی ہے اور اسلام کے لئے بھوکے پیاسے شہید ہوجانا آج بھی سخت کبیدہ کردیتا ہے۔لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

(کلیات شبلی اردو ص:۱۰۱)

حاجی یوسف ثوبانی

[•••]

حاجی محمد یوسف ثوبانی بمبئی کے ایک ممتاز تاجر حاجی محمد عمر ثوبانی کے صاحبزادے تھے۔ انہیں تعلیم سے بہت دلچسپی تھی اور تعلیمی کاموں میں آگے بڑھ کر حصہ لیتے۔انجمن اسلام بمبئی کے صدر بھی رہے۔''کلیات شبلی'' کی ایک نظم کا عنوان ہے''بمبئی کی وفادار انجمن''اس میں یوسف ثوبانی کا ذکر آیا ہے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے اس نظم پر ایک مختصر سا نوٹ لکھا ہے کہ

''جنگ بلقان کے زمانہ میں جب تمام ہندوستان میں وزرائے برطانیہ کی طرز سیاست کے خلاف جوش وغصے کی لہر دوڑ رہی تھی بمبئی میں ایک گمنام وفادار ''اسلامی انجمن بمبئی کے نام'' سے اخبارات میں مسلمانوں کے عام خیالات کی مخالفت میں اس کی تجویزیں شائع ہوتی تھیں۔مولانا نے اس نظم میں اس کی پردہ دری کی ہے۔'' (کلیات شبلی ص ۱۳۰)

مختصر سی یہ نظم اپنے اندر بے پناہ معنی ومفہوم رکھتی ہے اور سیاسی نظم نگاری کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔اس کی معنویت میں اس قدر تنوع ہے کہ کم ہی نظموں میں ملے گا۔

ایک دن تھا کہ وفاداری مسلم کی متاع
ہر جگہ عام تھی اور نرخ میں ارزانی بھی
دفعتاً ہوگئی ہنگامہ بلقان میں گم
قوم کو سخت مصیبت تھی پریشانی بھی

ہاتھ آنے کا تو ذکر پتہ تک بھی نہ تھا
ڈھونڈنے والوں نے گو خاک بہت چھانی بھی
ہو مبارک تجھے اے بمبئ اے ناز دکن
کہ ترے تاج میں ہے طرہ سلطانی بھی
تیرے بازار میں وہ یوسف گم گشتہ ملا
جس کا مشتاق خود یوسف کنعانی بھی
یہ الگ بات ہے اندھوں کو وہ آئے نہ نظر
گو اسی زمرہ میں ہے یوسف ثوبانی بھی
(کلیات شبلی اردو ص:۱۳۰)

حضرت یوسف علیہ السلام

[پ:۱۹۲۷-ق م]

حضرت یوسف علیہ السلام [پ:۱۹۲۷ق م] اللہ کے ایک نہایت برگزیدہ اور نہایت خوب صورت نبی تھے۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ بھائیوں نے حسد کر کے کنوئیں میں ڈالا، مگر اللہ نے حفاظت فرمائی اور عزیز مصر کے دربار میں پہنچادیا۔ان کے بے پناہ حسن و جمال پر عزیز مصر کی بیوی زلیخا فریفتہ ہوگئی۔ ناپاک ہاتھ بڑھایا، مگر آپ نے درگذر کیا۔اب اس نے الزام لگایا اس میں بھی ناکام ہوئی۔حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ مصر ہوئے۔ وہی زلیخا ان کی بیوی بنی۔قحط کے زمانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لینے مصر پہنچے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں پہچان لیا اوران کو معاف کردیا۔ یہ پورا قصہ سورہ یوسف میں اللہ جل شانہ نے بیان فرمایا ہے۔ جسے احسن القصص کہا گیا ہے۔اس قصے کے مختلف پہلوؤں پر شعرائے عرب وعجم نے طبع آزمائی کی ہے۔خاص طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن اور زلیخا کے عشق پر ''یوسف زلیخا'' کے نام سے متعدد مثنویاں لکھی گئی ہیں۔حتیٰ کہ تشبیہ

واستعارے کے طور پر حسن یوسف اور یوسف کنعاں اور ماہ کنعاں وغیرہ الفاظ اپنے اشعار میں باندھے جانے لگے۔ علامہ شبلی [۱۸۵۷-۱۹۱۴ء] نے بھی حسن یوسف اور یوسف کنعان وغیرہ الفاظ کا استعمال اپنی منظومات میں کیا ہے۔ اس طرح کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

عارف از کشمکش رو وقبول آزادست
یوسف آں نیست کہ دربند خریدار بماند

گوئیاں یوسف گم گشتہ بہ کنعاں آمد
یا نگار یمنی سوئے سبا می آید

از غلط رفتی بہ یوسف در تماشا گاہ حسن
انتظار گرمئے بازار می بایست کرد

بے سبب نیست کہ یوسف زبہا افتادہ است
دلبر شوخ من از خانہ بہ بازار گشت
(کلیات شبلی فارسی ص: ۷۰، ۷۲، ۷۹، ۸۰)

کتابیات

کتابیات

۱۔ آثارِ شبلی۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

۲۔ ادیب علی گڑھ (شبلی نمبر) مدیر: ڈاکٹر ابن فرید، ستمبر ۱۹۶۰ء

۳۔ اردو ترجمہ مکاتیب شبلی۔ڈاکٹر خالد ندیم، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء

۴۔ اردو شاعری پر ایک نظر۔کلیم الدین احمد، عظیم پبلشنگ ہاؤس پٹنہ

۵۔ اورنگزیب عالم گیر پر ایک نظر۔علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۰۴ء

۶۔ برگ گل۔علامہ شبلی، مرتبہ معین الدین قدوائی، معارف پریس اعظم گڑھ (س ن)

۷۔ بزم تیموریہ۔اول تا سوم، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنّفین اعظم گڑھ

۸۔ بوئے گل۔علامہ شبلی نعمانی، مطبع احمدی علی گڑھ، ۱۹۰۸ء

۹۔ تاریخ اسلام۔اول تا چہارم، شاہ معین الدین احمد ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ

۱۰۔ تاریخ بندول۔محمد رضی راوت، شبلی لائبریری بندول اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء

۱۱۔ تذکرہ علماء اعظم گڑھ۔مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مرکز دعوت وتحقیق دیوبند، ۲۰۱۲ء

۱۲۔ تذکرہ ماہ وسال۔مالک رام، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۹۱ء

۱۳۔ تذکرہ مشاہیر غازی پور۔مولانا عزیز الحسن صدیقی، مکتبہ حسن غازی پور، طبع دوم ۲۰۱۰ء

۱۴۔ تلمیحات انشاء مع شخصیات، ساجدہ قریشی، رام پور، ۲۰۱۷ء

۱۵۔ تلمیحات ومصطلحات۔سحر لکھنوی، ارتقا پبلشرز لکھنو، ۱۹۸۶ء

۱۶۔ حالات حزیں۔مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ، ۱۳۴۹ھ

۱۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۲۰۰۲ء

۱۸۔ حکمائے اسلام (اول ودوم)، مولانا عبدالسلام ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ
۱۹۔ حیات شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء
۲۰۔ خطوط شبلی۔ محمد امین زبیری، مقدمہ ڈاکٹر شمس بدایونی، ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۲۰۱۷ء
۲۱۔ دستہ گل۔ علامہ شبلی نعمانی، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۱۷ء
۲۲۔ ذکر شبلی۔ محمد امین زبیری، دانش محل لکھنو، ۱۹۴۶ء
۲۳۔ سخنوران شاہ جہاں پور، مبارک شمیم، تخلیق کار پبلشرز دہلی، ۱۹۹۵ء
۲۴۔ سیر الصحابہ۔ شاہ معین الدین احمد ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ
۲۵۔ سیرۃ النبیؐ۔ اول ودوم، علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ
۲۶۔ سیرۃ النعمان۔ علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء۔ ۲۰۱۲ء
۲۷۔ شبلی اور جہان شبلی۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء
۲۸۔ شبلی اور معاصرین۔ پروفیسر عبدالحق، اصیلہ پریس دہلی، ۲۰۱۴ء
۲۹۔ شبلی خود نوشتوں میں۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۹ء
۳۰۔ شذرات شبلی۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۴ء
۳۱۔ شعر العجم۔ (اول تا چہارم) علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ
۳۲۔ علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۹ء
۳۳۔ علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء
۳۴۔ فرہنگ آصفیہ، جلد دوم۔ مولوی سید احمد دہلوی نیشنل اکادمی دہلی، ۱۹۷۴ء
۳۵۔ فرہنگ تلمیحات۔ ثوبان سعید، ایم، آر، پبلی کیشنز دہلی، ۲۰۱۱ء
۳۶۔ قد اور سائے۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۹ء
۳۷۔ کتابیات شبلی۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۱ء
۳۸۔ کلام اقبال کے اشخاص واصنام۔ محمد نہال الدین، برائن بک پبلی کیشنز دہلی، ۲۰۱۵ء
۳۹۔ کلام اقبال کے اعلام ومشاہیر۔ ڈاکٹر شبیر احمد بخاری، بمنہ ہاؤسنگ کالونی سری نگر، ۲۰۰۸ء

۴۰۔ کلیات شبلی اردو۔علامہ شبلی نعمانی،دار المصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۲ء

۴۱۔ کلیات شبلی فارسی۔علامہ شبلی نعمانی،دار المصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۰۵ء

۴۲۔ ماتم شبلی۔قاضی عبدالرحمٰن حیرت اعظم گڑھی،مطبوعہ کاظمی پریس جون پور،۱۹۱۵ء

۴۳۔ مراسلات شبلی۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی،دار المصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱٦ء

۴۴۔ مکاتیب شبلی (اول ودوم) مولانا سید سلیمان ندوی،دار المصنّفین اعظم گڑھ،طبع جدید

۴۵۔ مکتوبات شبلی۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی،ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۲ء

۴٦۔ نقوش لاہور شخصیات نمبر۔(اول ودوم) محمد طفیل،فرید بک ڈپو دہلی،۲۰۱۴ء

۴۷۔ نوادرات شبلی۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی،ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۸ء

۴۸۔ یادرفتگاں۔ماہر القادری،مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی،۱۹۹۲ء

۴۹۔ یادرفتگاں۔مولانا سید سلیمان ندوی،دار المصنّفین اعظم گڑھ،۱۹۹۳ء

۵۰۔ یاران کہن۔عبدالمجید سالک،مطبوعات چٹان،میکلوڈ روڈ،لاہور،۱۹۵٦ء

○○○

اشاریہ

کلام شبلی کے اعلام واشخاص

مرتبہ

مولانا عرفات اعجاز اعظمی

اشخاص

○○○

کتب و رسائل

○○○

مقامات

○○○

Kalam-e-Shibli Ke Aalam-o-Ashkhas

By

Dr. Mohammad Ilyas Azmi

علامہ شبلی نعمانی اس اعتبار سے خوش نصیب ہیں کہ ان کی رحلت کے بعد ان کے نام اور کام کو ان کے شاگردوں ہی نے زندہ نہیں رکھا، بلکہ ان کے چاہنے والوں کی بڑی تعداد ایسے ادیبوں اور شاعروں کی ہے، جن کا تعلق ان کے عہد سے نہیں اور جو براہِ راست ان سے مستفیض بھی نہیں ہوئے۔ علامہ کی وفات سے اب تک برصغیر کے سماجی، تہذیبی، معاشی، سیاسی، جغرافیائی اور فکری رجحانات میں رونما ہونے والے تغیرات نے اس خطے کی ہیئت ہی بدل دی ہے، لیکن حیرت ہے کہ آج بھی شبلی کی تصنیفات و تالیفات کی تشریح، تفہیم، تنقید اور تحقیق کے سلسلے میں نئے نئے در وا ہوتے رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا نام سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی علمی زندگی حیاتِ شبلی، تنقیدِ شبلی اور تحقیقِ شبلی میں گذری ہے۔ بلاشبہ انہوں نے اور بھی بہت سے کام کیے ہیں، جو ان کی ادبی حیثیت کو نمایاں کرتے ہیں، لیکن علامہ شبلی کے لیے جو قربانی و محنت انہوں نے کی ہے، وہ عظیم ہے کہ دیگر شبلی شناس اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے، بالخصوص شبلی کے حوالے سے دریافتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ انہیں کے دم قدم سے جاری ہے۔ زیرِ نظر تالیف ان کی اسی جستجو کا ثمر ہے۔ یہ تالیف کلامِ شبلی کی تفہیم میں نہایت اہم کردار ادا کرے گی اور شبلی کی اردو، فارسی اور عربی شاعری کی تلمیحات، اشارات، استعارات اور علامتوں کو پہلی مرتبہ اس سلیقے اور سنجیدگی سے پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ کام ابھی بہت سی وسعتوں سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس کا آغاز کر دیا ہے اور یقین ہے کہ وہی اس کی تکمیل کریں گے۔ اس کتاب کے دیباچے میں ڈاکٹر صاحب نے اس تالیف کے تعارف کے ساتھ ساتھ کلامِ شبلی سے متعلق متعدد نئے سوالات اٹھائے ہیں، جن کا جواب دینا دنیا بھر کے شبلی شناسوں پر فرض ہو جاتا ہے۔ اگر ان کے ان نکات پر توجہ کی گئی اور ان کے بتائے ہوئے راستوں پر چند ایک عاشقانِ شبلی چل نکلے تو شبلیات کی حدود کئی گنا وسیع ہو جائیں گی۔ مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ مجھے جب بھی شبلی کی یاد ستاتی ہے تو میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی کسی کتاب کا مطالعہ شروع کر دیتا ہوں اور اس سے بھی انکار نہیں کہ اس مطالعے کے دوران ہی مجھ پر بعض نئی راہیں منکشف ہو جاتی ہیں، جن پر میں اپنی آئندہ تحقیق کی بنیاد رکھتا ہوں۔ زیرِ نظر تالیف ان کی ایسی کاوش ہے جس پر وہ خود بھی فخر کیا کریں گے۔

ڈاکٹر خالد ندیم

صدر شعبۂ اردو اور مشرقی زبانیں

یونیورسٹی آف سرگودھا

ADBI DAIRA

AZAMGARH

E-mail : azmi408@gmail.com

Mob. : +91-9838573645

Price : 250/-